UNIVERSAL LIBRARY
OU_232695
UNIVERSAL LIBRARY

کتب خانہ
جامعۂ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس [illegible]، مجلس انتظامی و
مجالس تنقیحات نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۲۔ اساتذۂ جامعۂ عثمانیہ و کلیہ جات متعلقہ و رجسٹرار، عہدہ داران جامعہ
اور اراکین دار الترجمہ دس کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۳۔ طلبائے [illegible] دو کتابیں لے سکتے ہیں اور انٹرمیڈیٹ
کے طلبہ تین کتابیں، ایم۔ اے، ایل ایل بی و متعلمین تحقیقاتی جماعتوں کے
طلبہ پانچ کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو طلب کے حساب
ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائے گا۔

۵۔ بشرط موقع کتابیں پھر جاری کی جا سکیں گی مگر اس غرض کے لئے
کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔

۶۔ کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو مستعیر پر ذمہ داری
عائد ہوگی۔

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنانا یا حاشیہ لکھنا منع ہے۔

۸۔ قلمی نسخے و حوالے کی کتابیں
جاری نہ کی جا سکیں گی۔ فقط

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

خطبۂ افتتاحیہ

(پریسیڈنشل ایڈریس)

مجلس تعلیمی حیدرآباد دکن

از

محمد اکبر نذر علی حیدری بی۔اے صدر مجلس

معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ دولت آصفیہ

سنہ ۱۳۲۴ف

مطبع اختر دکن واقع افضل گنج حیدرآباد دکن

خطبۂ افتتاحیہ

(پریسیڈنشل ایڈریس)

مجلس تعلیمی حیدرآباد دکن

از

محمد اکبر نذر علی حیدری بی۔اے صدر مجلس

معتمد عدالت وکوتوالی وامور عامہ دولت آصفیہ

۱۳۲۷ ف

مطبع اختر دکن واقع افضل گنج حیدرآباد دکن

حضرات! یہ بہت نازک اور پر خطر وقت ہے۔ یورپ مین ایک خونخوار اور خونریز جنگ ہو رہی ہے۔ جس سے ایک عالم مین ماتم بپا ہے۔ ہزارون لاکھون بندگان خدا بیوجہ و بے گناہ قتل کئے جارہے ہین اور ساری دنیا مین ایک تشویش اور ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ لیکن اس تاریکی مین صرف ایک جھلک نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمنے بحیثیت رعایا کے اپنے فرض کو بکمال بخوبی انجام دیا اور اس سے بڑھکر یہ کہ ہمارے آقاے ولی نعمت اعلیحضرت حضور انور خلد اللہ ملکہٗ اپنی پر خلوص دوستی کا حق ادا کردیا جو انہین اپنے آباے کرام سے ارثاً ملا ہے ہمین خداے ذوالجلال پر پورا بھروسا ہے کہ وہ حق کا ساتھ دیگا اور جبر و استبداد کو پامال کرے گا۔ اسلیئے یہان نہ بدامنی ہے اور نہ بے چینی اور پورا اطمینان حاصل ہے اور اس اطمینان کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم آج اُس نیک کام کو شروع کرنے والے ہین اور اس تعلیمی مجلس کا آغاز کرنے کو ہین جس سے ہمارے ملک کی فلاح اور ہماری امیدین وابستہ ہین۔ اور ہم سب کو اعلیحضرت حضور پر نور خلد اللہ ملکہ کا تہ دل سے شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ازرہ مراحم خسروانہ اس مجلس کے انعقاد کی منظوری عطا فرمائی۔

اس کے بعد مین اپنا دلی رنج اور افسوس اُس ملکی اور قومی صدمے پر ظاہر کرتا ہون

جو اس سال ہندوستان کو محب قوم مسٹر گوکھلے۔ مولانا حالی اور مولانا شبلی ڈاکٹر رگھوناتھہ کی وفات سے پہنچا ہے میرا اظہار رنج محض رسمی بحیثیت میر مجلس کانفرنس کے نہین ہے۔ بلکہ درحقیقت میرا دل اُس پر الم حادثہ سے پاش پاش ہے مجھے تینون بزرگون کی خدمت مین نیاز حاصل تہا اور جب مجھے ان کی وفات کا خیال آتا ہے تو میرا دل بھر آتا ہے اور اس بھرے جلسے مین کون ایسا ہے جسے ان محسنین ملک کی وفات پر حقیقی رنج والم نہ ہوا کیا ہم اتنے بڑے ملک مین کسی ایک شخص کا نام بہی بتا سکتے ہین جس نے اپنے ملک کی ایسی بے ریائی۔ اس قدر خلوص اور ایثار کے ساتہہ خدمت کی ہو اور جس نے اپنے ملک کی خاطر اپنی جان و مال اور عزت سب کچہ قربان کردیا ہو مجہے مسٹر گوکھلے کے دوسرے خیالات سے بحث نہین لیکن جو بے نظیر تعلیمی خدمت اونہون نے کی ہے اور جو ایثار وخلوص کا نمونہ اونہون نے پیش کیا ہے وہ محتاج بیان نہین کیا ہم اپنی قوم مین مولانا حالی کی نظیر پیش کر سکتے ہین جس نے اردو ادب مین ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا ہو جس کے پر درد نغمون سے اہل ملک کو خواب غفلت سے اس طرح جگایا ہو اور جس کی پاک سیرت اور اعلیٰ خصائل کا ایسا عجیب وغریب اثر ہوا ہو کیا کوئی ہمین اس وقت ڈاکٹر رگھوناتھہ سے بڑہکر علم یا طالب علمون کا سچا دوست بتا سکتا ہے کیا اس وقت مولانا شبلی کی کوئی مثال ہمارے ملک مین موجود ہے جس نے اپنی ساری عمر علمی تحقیقات مین صرف کی ہو۔ جس نے تاریخ اسلامی کا ایسا صحیح ذوق ملک مین پیدا کیا ہو اور جس نے آخر دم تک اسی علمی دہن مین اپنی عمر صرف کردی ہو۔ اور

عجیب بات یہ ہے کہ ان تینون محبان وطن نے اپنی ہمت اور کوشش اور عمر کا بڑا حصہ تعلیم کی تشویق اور اشاعت مین صرف کیا جو بنیاد ہے تمام ترقیون اور بہبودیون کی۔ یہ تینون غریب خاندان کے تھے عمر بہر غریب اور قلیل معاش رہے لیکن جو کام انہون نے کئے ہین اور جو عزت انہین دنیا مین حاصل ہے کیا کوئی لکھپتی اور کروڑپتی اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

یہی وہ لوگ ہین جو دنیا کا نمک اور عالم کی روشنی کہلاتے ہین یہی وہ لوگ ہین جو ملک کے فدائی اور قوم کے شیدائی ہین اور یہی وہ لوگ ہین جن کی زندگی قابل تقلید ہے ہم سب کو اون کی وفات کا رنج اور صدمہ ہے لیکن ہماری سعادتمندی اسی مین ہے کہ ہم اون کی پاک زندگی اور ان کے خلوص اور ایثار سے سبق حاصل کرین۔

حضرات! مین آپ صاحبون کی خدمت مین دلی مبارکباد پیش کرتا ہون کہ آپنے اس تعلیمی مجلس کے قیام سے ملک پر ایسا بڑا احسان کیا ہے کہ جس کا شکریہ نہ صرف ہم بلکہ آیندہ نسلین بھی ادا کرین گی۔ میری رائے مین اگر اس ملک کے لئے سب سے بہتر، سب سے مفید اور سب سے اعلیٰ کوئی کام ہو سکتا ہے تو وہ ایک ایسی ہی تعلیمی مجلس ہے۔ اگرچہ یہ کام بہت پہلے شروع ہونا چاہیے تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے بہت دیر کی ہے، لیکن اس تاخیر کی تلافی ہم اپنی مستعدی۔ جفاکشی اور محنت سے کر سکتے ہین۔ اور اگر یہ کام اسی جوش اور مستعدی کے ساتھ جاری رہا تو ہم دیکھین گے کہ اس کے نتائج کیسے عمدہ اور اس کے اثرات

کیسے بے بہا پیدا ہوں گے - مناسب تو یہ تھا کہ اس مجلس کی صدارت کے
لئے کسی صاحب علم وفضل کا انتخاب کیا جاتا جو اس خدمت کو مجھ سے بہتر
اور زیادہ خوبی کے ساتھ انجام دیتا مجھے علم وفضل کا ہرگز دعوی نہیں ہے اور
یہ میں بغیر کسی انکسار اور تصنع کے کہتا ہوں - لیکن میں علم کا خدمت گزار ضرور
ہوں اور اس ناچیز خدمت گزاری پر مجھے فخر ہے - میرا دلی منشا ہے کہ اس ملک
میں تعلیم عام ہو اور علم کی روشنی سے سارا ملک منور ہو جائے - مجھے ابتدا سے
ملازمت سے جہاں جہاں میں رہا تعلیم سے خاص دلچسپی رہی اور میں نے
اپنی بساط کے موافق ہمیشہ اس میں حصہ لیا - اور جب سے میں اس ریاست
میں ہوں مجھے سب سے زیادہ خیال تعلیم کا رہا اور جب تک میں رہوں گا
میں ہمیشہ اس کی ترقی کو مد نظر رکھوں گا - اس لئے جو عزت کہ آپ نے مجھے اس
مجلس کے اجلاس اول کی صدارت کی بخشی ہے اس کا میں تہ دل سے ممنون
ہوں اور اس موقع کو میں اپنی زندگی میں ہمیشہ فخر ومباہات کے ساتھ یاد رکھونگا

حضرات! علاوہ ان اعلیٰ خوبیوں اور نیکیوں کے جو ہمیشہ عزت اور وقعت
کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی - ہر زمانہ میں بلحاظ ضروریات وقت اور اقتضائے
زمانہ بہت سی دوسری ایسی چیزیں اور بہت سے دوسرے ایسے کام ہیں
جن کی قدر و منزلت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے - یہاں تک کہ بعض اوقات ان کا درجہ
نیکی اور ثواب تک پہنچ جاتا ہے - اگر اس زمانے کے حالات اور ضروریات
پر نظر ڈالی جائے تو اشاعت تعلیم اور علم پھیلانا درحقیقت نیکی اور ثواب کا کام
ہے اور اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں کہونگا کہ **جہاد** کا کام ہے -

کیا جہالت و ظلمت سے جنگ کرنا، تاریکی کو رفع کرنا اور علم کی روشنی پھیلانا جہاد نہین ہے خصوصاً ایک ایسی ملک مین جہان تعلیمی حالت پست ہے جہان علم مفقود ہوتا جاتا ہے اور جہان ابھی لوگونکو علم کی پوری قدر نہین ہے اور جہان آپ کو یہ سنکر نہایت تعجب معلوم ہوگا کہ معمولی پڑھے لکھے لوگون کی تعداد ایک ہزار مین صرف (۲۸) ہے یعنی سو مین ۲،۸ یہ خوشی اور شکر کی بات ہے کہ گذشتہ دس سال مین حیدرآباد کی آبادی نے قابل لحاظ اور معتدبہ ترقی کی ہے لیکن جب آبادی کی ترقی کے مقابلہ مین تعلیمی حالت پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بجائے ترقی کے اس کی تعداد چار کس فی ہزار گھٹ گئی ہے۔

اگر آپ قرب وجوار کے انگریزی صوبون اور ریاستون سے مقابلہ کرین گے تو اس سے صاف معلوم ہوگا کہ ہم کس قدر پیچھے ہین۔ اور اس مقدس کام کے لیے کس قدر جان توڑ کر کوشش کرنی چاہیے۔ ملاحظہ ہو۔

ٹراونکور	مین فیصدی لکھے پڑھے	۱۵
بڑودہ	"	۱۰/۱
مدراس	"	۷/۵
بمبئی	"	۷
میسور	"	۶/۳
ممالک متوسط وبرار	"	۳/۳
ریاست حیدرآباد	"	۲/۸

مین نے اس تفاوت کے دکھانے کے لئے ایک ڈایاگرام تیار کیا ہے جو اس وقت آپ کے سامنے ہے اور جس سے ایک نظر مین ہماری تعلیمی حالت کا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جائیگا کیا یہ حالت قابل حیرت، قابل افسوس اور قابل شرم نہیں ہے ؟ سررشتۂ تعلیمات کو الزام دینا آسان ہے، لیکن کیا ملک کے تعلیم یافتہ اور دیگر با خبر اصحاب کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اس سررشتہ کو مدد دین اور تعلیم کی اشاعت مین مختلف طور سے کوشش کرین ؟

اگرچہ سررشتہ تعلیم اس خاص غرض سے سرکار نے قایم کیا ہے۔ لیکن درحقیقت تعلیم ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے لئے کوشش کرنا تمام سررشتون، تمام تعلیم یافتہ اور ملک کے بہی خواہ اصحاب کا فرض ہے۔ کیا رعایائے ممالک محروسہ سرکار عالی ہندوستان کے دوسرے حصص کے باشندون سے زیادہ کم سمجھ زیادہ غبی اور ناقص الذہن ہے؟ یہ ممکن نہین اور اسلیے اس کمی کے اسباب ہمین دوسری جگہ تلاش کرنے چاہئین اس مین شک نہین کہ تعلیمی لحاظ سے خاص شہر حیدرآباد کی حالت بہت قابل اطمینان ہے۔ اور اگر اس کا مقابلہ اضلاع سے کیا جاے تو حیرت انگیز ہے۔ تقریباً بیس فیصدی خواندہ اشخاص میں سے ستر فیصدی انگریزی پڑھے لکھے اور ۱۸ فیصدی خواندہ عورتین ہیں۔ لیکن کیا ممالک محروسہ سرکار عالی سے مراد صرف شہر حیدرآباد ہے۔؟

مگر جب ہم اعلیٰ تعلیم کی طرف نظر دوڑاتے ہین تو جو مسرت ہمیں بلدہ کی تعلیمی حالت

سے ہوئی تھی وہ مبدل بہ افسوس وحسرت ہوجاتی ہے ۔

حضرات! حالت ناگفتہ بہ ہے ۔ اور اس کے بیان کرنے سے بھی شرم معلوم ہوتی ہے ۔ لیکن اس سے میرا مقصد کسی کو الزام دینا نہین بلکہ میرا منشا اس سے یہ ہے کہ ارکان کانفرنس جنھون نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے، وہ ابھی ہی سمجھ لین کہ اُنکے سامنے کیسا بڑا کیسا اہم اور کیسا دشوار اور کٹھن کام ہے ۔ اور ابھی سے اُنھین اُن موانعات کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو ہمارے رستہ مین حائل ہین اگر دیکھا جاے تو سارے ملک میں بلدہ ہی ایک شہر ہے اور بلاشبہ یہ بہت بڑا شہر ہے لیکن اس کے سواے ملک کے دوسرے بہت کم ایسے مقامات ہین جن مین شہریت کے آثار پاے جاتے ہون اور یہی وجہ ہے کہ وہان تعلیم کی ضرورت اس قدر محسوس نہین ہوئی ہے ۔ شہرون کے ترقی پانے اور بڑھنے سے قصبات اور پھر دیہات پر اثر پڑے گا ۔ چنانچہ بلدہ کا جو اثر اس کے قرب وجوار پر پڑا ہے اس سے میرے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ۔ تمام اضلاع ممالک محروسہ مین صرف اطراف بلدہ اور میدک ایسے ضلع ہیں جہان لکھے پڑھے لوگون کا اوسط تمام ریاست کے اوسط کے برابر بلکہ اس سے کچھ زاید ہے اور یہ صرف بلدہ کا اثر ہے

اس کے علاوہ تجارت ایک ایسی چیز ہے جو تعلیم کی ممد اور اسکی ترقی کا باعث ہوتی ہے جون جون ریلوں اور سڑکون کی توسیع ہوگی اور ذرائع آمدورفت سہل ہوتے جائین گے تجارت کو فروغ ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کو بھی ترقی

ہوگی - چنانچہ جن مقامات پر پہلے ریل نہ تھی اور اب ہوگئی ہے وہان تجارت کے ساتھہ ساتھہ تعلیم بھی بڑہتی جاتی ہے جسکی ایک نظیر پربہنی ہے -

تیسرے اس ملک کی رعایا زیادہ تر زراعت پیشہ ہے اور تقریباً ۶۲ فیصدی اشخاص زراعت یا اس کے متعلقہ پیشون مین مصروف ہین اور انہین ابھی تک تعلیم کی ضرورت اور فوائد محسوس نہین ہوئے ہین -

چوتھے - جاگیرات مین تعلیم کی طرف بہت کم بلکہ مطلق توجہ نہین کی گئی جسکا اثر ملک کے اوسط پر پڑتا ہے -

پانچوین ایک وجہ تعلیم کی کمی کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہمارا مقرر کردہ نصاب تعلیم خصوصاً اضلاع اور دیہات کی ضروریات یا وہان کے لوگون کی طبائع اور خواہشات کے مناسب نہو -

چھٹے، پنچ اقوام - جنکی ایک تعداد کثیر یہان آباد ہے اور بلحاظ تعداد کے ہندو مسلمانون کے بعد انہین کا درجہ ہے تعلیم کی نعمت سے بالکل محروم ہین - ان کی تعلیم کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے -

انکے علاوہ اور بھی ایسے اسباب ہونگے جو اب تک اشاعت تعلیم کے مانع رہے ہون اور جہان تک میری نظر نہ پہنچی ہو - لیکن میری راے مین بہت بڑی کمی سچے جوش اور خلوص کی ہے - اگر کام کرنے والون مین سچا جوش اور خلوص ہو اور دلون مین درد ہو تو رفتہ رفتہ سب موانعات خود بخود اٹھ جائین گے - اسلیئے

اس کانفرنس کا کام صرف یہی ہوگا کہ وہ بلدہ مین اپنے اجلاس کرے اور دل خوش کن تجاویز پر بحث کر کے انہین منظور کرے بلکہ شہر شہر اور گاؤن گاؤن پھرنا ہوگا۔ واقعات اور حالات پر غور کر کے صحیح نتایج قائم کرنے ہونگے اور مشنریون کی طرح ایثار سے کام لینا پڑیگا۔ اس وقت اس کا کام مقبول ہوگا اور یقیناً سرکار اُس کے نتائج پر غور کرے گی اور اُن سے معتدبہ فائدہ اُٹھائیگی اگر کانفرنس نے یہ کام کرلیا تو سمجھنا چاہیئے کہ اسنے ایک ایسی بڑی مہم سر کی جسکے اثرات دور تک پہنچین گے اور موجودہ اور آیندہ نسلین ہمیشہ اسکی رہین منت رہین گی۔

سررشتۂ تعلیمات کی رپورٹون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خانگی مدارس کی تعداد بہ نسبت سابق کے کم ہوتی جاتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صحیح اعداد دستیاب نہ ہوئے ہون۔ لیکن اغلب یہی ہے کہ ان کی تعداد مین سرکاری مدارس قایم ہونے کی وجہ سے کمی ہو گئی ہے۔ اور مشکل یہ آپڑی ہے کہ چونکہ ہمارا مقرر کردہ نصاب تعلیم انکی ضروریات اور خواہش کے مطابق نہین اسلیئے وہ لوگ اپنے بچون کو ہمارے مدارس مین بھیجنے مین تامل کرتے ہین اور خانگی مدارس کو زیادہ پسند کرتے ہین۔ ایک وجہ اُن کی جہالت ہے کہ وہ سرکاری تعلیم کی قدر نہین کرتے اور خانگی مدارس انہین مغالطہ دیکر اپنی طرف متوجہ کرتے ہین۔ دوسرے اُن کا خیال بھی ایک حد تک صحیح ہے کہ ہم نے اپنے نصاب مین اُن کی خواہشات کا زیادہ لحاظ نہین رکھا

اسلئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مدارس دیسی کے نصاب مین زیادہ سختی نہ کیجائے۔
اور اس طور سے مرتب کیا جاے کہ اہل دیہہ کی خواہشات کا لحاظ بھی رہے اور تعلیم
کی غایت بھی پوری ہو اور ایسا ہونا ناممکن نہین مجھے یقین ہے کہ سررشتہ تعلیم
مین جو اصلاح نصاب تعلیم کے متعلق تجاویز ہو رہی ہین اس مین اس امر کا لحاظ کیا
گیا ہے۔ یہان اس امر کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ تمام ہندوستان مین
عام تعلیم کے لحاظ سے سب سے بہتر حالت **برما** کی ہے۔ جہان خواندہ اشخاص فیصد
(۲۲) سے زائد ہین اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہان خانگی مدارس (بدہ خانقاہون مین)
بکثرت ہین۔ اور اسلئے یہ کہنا کسی طرح بیجا نہین کہ اس ملک مین خواندہ اشخاص
کی کمی خانگی مدارس کی تعداد گھٹ جانے سے ہوئی ہے۔ اگر ہم نے ان کی طرف
سے غفلت کی ہے تو اب ضرور ہے کہ اُن کا قایم مقام پیدا کرکے اس نقصان
کی تلافی کرین۔

یہ چند اسباب ہین جو میرے خیال مین اشاعت تعلیم کے مانع ہین۔ ممکن ہے
کہ اور بھی بہت سے اسباب ہون اور ضرور ہونگے جن پر میری نظر نہین پڑی اور
جن مین ہمارے قدیم روایات سوشل حالت اور توہم پرستی کو بہت کچھ دخل ہوگا
یہ اب کانفرنس کا کام ہے کہ اُنکی تلاش کرے اُن پر غور کرے اور ایسی تجاویز
عمل مین لائے جو موانعات کو اُٹھا دیں اور اشاعت تعلیم کا رستہ نکالین۔
کانفرنس کی یہ تجاویز بلاشبہ قابل قدر ہونگی۔

لیکن، حضرات، جہالت کی جڑ اُس وقت تک نہین کٹ سکتی، جب تک علم کی اشاعت ہماری عورتون اور لڑکیون میں نہو وہ ملک اور قوم کبھی تعلیم یافتہ اور شایستہ نہین ہوسکتی، جس کے مرد تو علم حاصل کرین اور عورتین علم سے بے بہرہ ہین گویا اس کے یہ معنی ہین کہ ایک جسم ایسا ہے جو نصف تو صحیح سالم ہو اور نصف مفلوج؟ بچون پر مان باپ دونون کا اثر ہوتا ہے لیکن یہ مسلّم ہے کہ مان کا اثر باپ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب ہم یہ تسلیم کرتے ہین تو کیا اسکے ساتھ یہ بھی مانتے ہین کہ جاہل اور بے علم مان کا اثر بچے پر اچھا پڑیگا؟ اگر وہ گودین! جن مین ہماری اولادین پرورش پاتی ہین۔ جہان وہ اخلاق و مذہب کا پہلا سبق سیکھتی ہین، جہان اول اول اونکا کیرکٹر بنتا ہے، علم سے خالی ہین، تو پھر ہم کیونکر یقین کرسکتے ہین کہ جب ہماری اولادین اُن گودون مین سے پرورش پاکر بڑھینگی تو وہ حقیقی علم و اخلاق سے آراستہ ہونگی؟ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک مین جہالت کا زور ہے، علم کی کمی ہے اور تعلیم کی طرف سے عام بے توجہی ہے۔ اسمین شک نہین کہ جن خاندانون کے مرد تعلیم یافتہ ہوگئے ہین۔ اُن کی عورتون مین بھی علم کا چرچا ہوتا جاتا ہے لیکن یہ کہنا کہ جب مرد تعلیم یافتہ ہوجائینگے تو وہ عورتون کی تعلیم کا خود بخود انتظام کرلینگے۔ ایک قسم کا مغالطہ اور دھوکا ہے۔ کیا اسکی کوئی حد مقرر ہے؟ کیا اس کی کوئی مدت معین ہے؟ کیا اس وقت تک انتظار کرنا عقل کی بات ہے؟ اور کیا ہم اس نقصان عظیم کو چپکے بیٹھے

سہا کرین۔ جو اس مدت مدید اور اس انحطاط شدید مین ہماری نسلون کو پہنچنے والا ہے؟ اصلاح دونون کی یکسان اور ساتھ ساتھ ہونی چاہیئے کیونکہ دونون پر ہمارے خاندانون کی بقا اور آیندہ نسلون کی اصلاح منحصر ہے۔

حضرات۔ یہ وقت تعلیم نسوان کے فوائد اور نقصانات پر بحث کرنے کا نہین ہے۔ بحثون کا وقت گزر چکا۔ اب عمل کا زمانہ ہے۔ ہمین اب کچھ کرکے دکھانا چاہیئے۔ موجودہ کی اصلاح اور آیندہ کی فکر ہونی چاہیئے۔ ایسا نہو کہ یہ وقت لاطائل بحثون مین گزر جائے اور ہمین آیندہ نسلون کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ مجھے یہ ذکر کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس ملک مین خواندہ عورتون کی تعداد ہزار مین صرف ۴ ہے۔ اور اگر بلدہ کو خارج کردیا جائے تو یہ تعداد فی ہزار ½ ۲ ہی رہجاتی ہے۔ جو نہایت قابل افسوس ہے۔ کانفرنس کو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ وہ اگر اپنے ملک کو تعلیم یافتہ بنانا چاہتی ہے تو تعلیم نسوان کی سب سے زیادہ فکر کرے۔ اس ملک مین خواندہ اشخاص کی جو کمی دکھائی گئی ہے یعنی فی ہزار ۲۸ تو اس کی بڑی وجہ ہے کہ عورتین تعلیم مین مردون سے بہت پیچھے ہین اور اس کمی کا اثر عام اوسط پر پڑا ہے اگر عورتون کو خارج کردیا جائے تو خواندہ مرد فی ہزار ۵۱ ہونگے۔ لیکن کیا ہم اس حساب مین عورتون کو خارج کرسکتے ہین؟ اور کیا بغیر عورتون کے ملک تعلیم یافتہ ہوسکتا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ کانفرنس اس مسئلہ کی اہمیت پر کامل غور کرے گی۔

تعلیم کے ہر شعبہ کی اصل ابتدائی تعلیم ہے۔ اور اسلیئے جہان تک ممکن ہو اسکی ترقی و اشاعت مین سعی کرنا ہمارا سب سے بڑا فرض ہونا چاہیئے۔ یہ ضرور نہین ہے کہ سب کے سب اعلی تعلیم پائین، لیکن یہ ضرور ہے کہ سب معمولی لکھنا پڑہنا جانتے ہون۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ حضور پرنور کی رعایا مین کوئی شخص ایسا نہو جو ابتدائی تعلیم سے محروم رہجائے ہماری نظر مین بہت سی مثالین ایسے شخصون کی ہین جنہون نے صرف ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی لیکن وہ اپنی قابلیت اور قوت مطالعہ سے بڑے آدمی ہوگئے۔ ثروت وجاہ ہی مین نہین، بلکہ علم وفضل مین بھی۔ ابتدائی تعلیم زینہ ہے آیندہ اصلاح کا اور انفرادی اور اجتماعی ترقی کا۔ ابتدائی تعلیم کو زیادہ موثر اور وسیع کرنے اور عام لوگون تک پہنچانے کے لئے ہمین مجالس لوکل بورڈ سے کام لینا چاہیئے ہر مجلس مین غالباً چند ارکان ایسے ہونگے جنہین تعلیم سے کچھہ نہ کچھہ دلچسپی ہوگی اور اگر مجلس کے یہ ارکان مہتمم تعلیمات کے مشورہ سے ابتدائی تعلیم کی اشاعت مین سعی کرین گے تو مجھے یقین ہے کہ اس مین بڑی کامیابی ہوگی۔ رہا یہ امر کہ اسکی کیا صورت ہوگی۔ مین اسکی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت اس موقع پر مناسب خیال نہین کرتا۔

ابتدائی تعلیم کی اشاعت سے ایک اور بڑا مقصد میرے مد نظر ہے جو ہر طرح لائق قدر اور قابل لحاظ ہے۔ آپکو معلوم ہے کہ حال مین ہمارے ہان کواوپریٹو کریڈیٹ (قرضہ باہمی) کا طریقہ جاری کیا گیا ہے۔ اسے آپ کوئی معمولی تجویز

نہ خیال فرمائین - یہ ایک بڑی چیز ہے اور اسکا اثر اور فائدہ دور تک پہنچنے والا ہے - آپ جانتے ہین کہ ہمارے ملک مین آبادی کی تعداد کثیر زراعت پیشہ ہے اور اُن کی خوشحالی پر ملک کی خوشحالی منحصر ہے - اور اب تک کوئی تجویز کو اوپر ہٹو کریڈٹ سے بہتر خیال مین نہین آئی ہے لیکن اس کے فوائد سے مزارعین اُس وقت تک بہرہ مند نہین ہو سکتے جب تک کہ ان مین کم سے کم ابتدائی تعلیم نہ ہو - اور اسلیئے اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لیئے یہ ضرور ہے کہ جہان تک ممکن ہو ابتدائی تعلیم کی اشاعت کیجائے - اس خیال کو آپ مدنظر رکھین گے تو ابتدائی تعلیم کی وقعت آپ کی نظرون مین اور بڑہ جاسے گی -

حضرات - باوجود اس عام تعلیمی پست حالت کے جسکا ذکر مین نے اب تک کیا ہے - یہ بات کچھ کم مسرت اور فخر کی نہین ہے - کہ ہمارے ہان علوم مشرقیہ کی تعلیم کا انتظام بہت قابل اطمینان طور پر ہو گیا ہے - ہمین دارالعلوم کے لیئے ایک ایسے فاضل پرنسپل ملگئے ہین جو علوم مشرقیہ کے متبحر اور علوم مغربیہ کے عالم ہین اور جن کے علم و فضل و کمالات اور اعلیٰ اخلاق سے ہمارے ملک کو بیش بہا فائدہ پہنچے گا - نصاب تعلیم کی مناسب ترمیم کی گئی ہے اور جو نقص باقی ہین وہ رفتہ رفتہ سب رفع ہو جائین گے - سائنس کے تعلیم کی ابتدا کیگئی ہے جو چند سال مین مکمل ہو جائیگی - اسی سلسلہ مین اضلاع مین بعض مقامات پر مدارس فوقانیہ کے قایم کرنے کا بھی ارادہ ہے اور پہلا مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد مین قائم ہو چکا ہے - مین ابھی حال مین اورنگ آباد گیا تھا - اور مجھے یہ دیکھکر بے انتہا خوشی ہوئی کہ اگرچہ ابتدا ہے لیکن مدرسہ صحیح اصول پر چلا جا رہا ہے اور اس مین زندگی اور ترقی کے آثار نمایان ہین -

اور زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ جن حضرات کے ہاتھ مین اس کا انتظام ہے وہ اسکی اہمیت سے بخوبی واقف ہین اور اس کام کو بڑے شوق اور جوش سے انجام دے رہے ہین۔

میرا یہ خیال ہے اور مجھے اسپر کامل وثوق ہے کہ ہماری علمی ترقی کا اگر کوئی صحیح راستہ ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے۔ تقریباً ایک صدی کے تجربہ نے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی ہے کہ خالص مغربی تعلیم ہمارے ملک کے لئے مفید نہین ہوسکتی۔ جس تعلیم مین ملکی ضروریات کا لحاظ نہو۔ اور جسکی بنیاد ملکی اور قومی خصائص پر نہو وہ کوئی تعلیم نہین اسی طرح خالص مشرقی تعلیم بھی موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے سودمند نہین ہوسکتی۔ ایک ہمین ملک و قوم سے بیگانہ کردیتی ہے اور دوسری ہمین زمانہ حال کی ترقی اور روشنی سے محروم رکھتی ہے۔ دونون الگ الگ ناقص اور ناکمل ہین۔ اور اسلئے ضرور اور لابد ہے کہ دونو نکی خوبیون کو ایک جگہ جمع کیا جاسے اور ایسا نصاب تعلیم تیار کیا جائے جو حقیقی علم اخلاق کا سرچشمہ ہو لیکن اسے کامیاب بنانے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ ایک خاص مدت تک علوم اپنی زبان مین سکھائے جاتین۔ غیر زبان کے ذریعہ علم حاصل کرنے مین جو نقصان عظیم ہمین پہنچا ہے وہ ایسا نہین ہے کہ اب اس سے درگزر کیجاسے اور اس کی تلافی اور آیندہ کی اصلاح کا کوئی خیال نہ کیا جائے۔ اس سے نہ صرف ہمارے بچون اور نوجوانون کے دماغون پر بہت بڑا بار اور بہت برا اثر پڑتا ہے بلکہ جدت طبع اور رسائی ذہن ایک حدتک معطل ہوجاتی ہے یہ امر بہت قابل اطمینان ہے کہ سررشتہ تعلیم اس مسئلہ پر غور کر رہا ہے اور جدید نصاب کی ترتیب مین اسے خاص طور سے ملحوظ رکھا ہے لیکن اس کے لئے لازم ہے کہ ہم اپنی زبان کو

علمی کتب سے مالا مال کر دین تا کہ علم کی تحصیل مین ہمارے طالب علمون اور اہل ملک کو دقت نہ رہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ انجمن ترقی اردو اس بارے مین بہت اچھا کام کر رہی ہے اور امید ہے کہ اسکی سعی سے ہماری زبان کے ذخیرہ علوم و فنون مین بیش بہا اضافہ ہو جائے گا۔

لیکن اس سے کوئی صاحب یہ خیال نہ کرین کہ مین مغربی تعلیم یا انگریزی زبان کی تحصیل کا مخالف ہون بلکہ مین اس کا بھی ویسا ہی حامی ہون جیسا مشرقی تعلیم کا۔ لیکن میرا خیال یہ ہی کہ عام طور پر قطع نظر بعض مستثنیات کے ابتدائی مدارج مین انگریزی کی تعلیم بجاے مفید کے مضر ہوتی ہے البتہ اعلی مدارج مین اسکی تعلیم بطور زبان ضروری اور لازمی ہے اور بغیر اس کے ہم ہرگز صحیح اور حقیقی معنون مین تعلیم یافتہ نہین ہو سکتے ممکن ہے کہ یہ طریقہ برٹش انڈیا مین مفید نہو کیونکہ وہان بغیر انگریزی تعلیم کے اعلی ترقی ممکن نہین اس لئے کہ وہان کے تمام بڑے دفاتر مین نیز سرکاری خط و کتابت مین انگریزی کی ضرورت ہے لیکن یہ خلاف اس کے ہماری ریاست کی سرکاری اور دفتری زبان اردو ہے اور یہان کے حالات برٹش انڈیا کے حالات سے مختلف ہیں۔

دارالعلوم اور مدرسہ فوقانیہ کا انتظام اسی نہج پر کیا گیا ہے۔ کتب کے متعلق بڑی چھان بین کیجا رہی ہے۔ عمدہ مدرس اور علما کے انتخاب مین بہت غور و فکر کیا جاتا ہی ضروری سامان بھی رفتہ رفتہ مہیا کیا جا رہا ہے اور جب یہ سب انتظامات مکمل ہو گئے اور خدا نے چاہا تو چند سال مین دارالعلوم ایک عظیم الشان یونیورسٹی ہو جائیگا جسکی نظیر ہندوستان بھر مین نہو گی اور جسکا فیض دور دور پہنچیگا اور لوگ ملک ملک سے اس سے مستفید ہونیکے لئے آئینگے اور حیدرآباد

اشاعت تعلیم کا ایک بڑا ذریعہ کتب خانے ہین۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مدارس کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہین۔ کتب خانون نے ہمیشہ بڑا کام کیا ہے۔ اور بڑے بڑے لوگ پیدا کیے ہین۔ ہندوستان کتب خانون کے لیے قدیم زمانہ سے مشہور ہے۔ ہر پڑھے لکھے شخص کے گھر مین کتابون کا مجموعہ ہوتا تھا۔ اور بعض بزرگون اور خاندانون کا ذخیرہ تو نہایت بیش بہا اور قابل رشک تھا۔ اور اس زمانے مین تو اس کے بغیر چارہ ہی نہین۔ کتابون کی آج کل اس قدر کثرت ہوتی جاتی ہے کہ ان کا جمع کرنا کسی ایک شخص کا کام نہین۔ ایک شخص اپنے مذاق کی کتابین جمع کرسکتا ہے۔ لیکن ہر فن و علم کی کتب کا جمع کرنا شخصی قدرت سے باہر ہے اور اس لیے ضرور ہے کہ سرکار کی طرف سے یا باہمی کوشش سے جگہ جگہ کتب خانے قائم کیے جائین۔ تاکہ طالب علم اطمینان خاطر سے اپنی فرصت کے وقت مین کتب کا مطالعہ کرسکین۔ اور جنہین خدا نے علمی ذوق اور ذہن رسا عطا فرمایا ہے وہ جدید تحقیقات کا ڈول ڈالین اور اپنے اور اپنے ملک کے علم مین اضافہ کرین اور جو لوگ اپنے کام دہندون مین مصروف ہین۔ انہین بھی موقع ملے گا۔ اور ترغیب ہوگی کہ اپنے کامون سے فارغ ہونے کے بعد مطالعہ کتب سے سچی خوشی اور فیض حاصل کرین۔ ایک اچھا کتب خانہ ایسی نعمت عظمی ہے کہ اس کی جتنی قدر کیجائے کم ہے۔ اشاعت علم مین کتب خانہ مدرسون کالجون اور یونیورسٹیون سے کسی طرح کم نہین۔ بہت سے لوگ جنہون نے صرف

ابتدائی تعلیم پائی تھی کتب خانون کی بدولت بڑے آدمی بن گئے ہین۔ اور انہون نے بڑی بڑی علمی خدمتین کی ہین۔ ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ بلدہ مین بہت اچھا کتب خانہ موجود ہے۔ اور ہر سال اس مین کچہ نہ کچہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور امید ہے کہ ایک مدت کے بعد اس کا ہندوستان کے نامی کتب خانون مین شمار ہوگا۔ لیکن ضرورت ہے کہ اضلاع مین بہی مختلف مقامات پر کتب خانے قائم کئے جائین جس مین خاص کر اردو اور دیگر ملکی زبانون کی کتب کا اچھا ذخیرہ ہو۔ کیونکہ صرف خواندہ ہونا ہی کافی نہین بلکہ علمی ذوق بہی پیدا ہونا چاہئے۔ اور یہ ذوق بہ نسبت مدارس کے کتب خانون کے ذریعہ سے بہت اچھی طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس لئے میری رائے ہے کہ نہ صرف بڑے بڑے مقامات مین بلکہ ہر پرائمری مدرسہ مین ایک چہوٹا سا کتب خانہ ہو جس مین ایسی کتابین مہیا کی جائین جو نہ صرف بچون کے لئے مفید ہون بلکہ گاؤن کے اور لوگ بہی دلچسپی سے پڑہ سکین اور اہل دیہات کو ان کتب خانون سے کتابین دیکر ان مین مطالعہ کا شوق پیدا کیا جائے تاکہ مدارس مین اور گاؤن والون مین خاص تعلقات پیدا ہو جائین جو مدارس اور اہل دیہات دونون کے لئے مفید ہوگا۔ اور اسی طرح سے رفتہ رفتہ سفری کتب خانون کا رواج دیا جائے۔ اور پڑہنے لکہنے اور مطالعہ کا عام شوق تمام ملک مین پیدا کیا جائے حضرات! سرکار عالی تعلیمی پستی کی طرف سے غافل نہین ہے۔ بلکہ

کچھ عرصہ سے اس کی اصلاح کے متعلق خاص انتظام کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ
آپ کو یاد ہوگا کہ چند سال پہلے ایک ماہر فن بیش قرار تنخواہ پر اسی غرض سے طلب
کیا گیا تھا۔ جس نے دو سال مین تقریباً تمام ملک کا دورہ کر کے بڑی محنت اور
غور و فکر سے ایک رپورٹ مرتب کی اس کے بعد سے مختلف تجاویز عمل مین
آئی ہین متعدد اسکیمین منظوری کے لئے پیش ہین۔ اور سررشتہ تعلیمات ہر قسم کی
تعلیم کی اصلاح و ترقی مین سرگرم ہے۔ مثلاً مختلف نصابات کی ترمیم و ترتیب دیسی
زبانون اور اردو کی تعلیم کا صحیح انتظام مدارس کی تعداد مین اضافہ، عمدہ مدرسین کا
انتخاب، مدارس صنعت و حرفت کی اصلاح، صیغہ نظارت و نگرانی کی تنظیم وغیرہ یہ
ایسے مسائل ہین جو سرکار کے زیر نظر اور زیر عمل ہین۔ خصوصاً کتب نصاب تعلیم
کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ ابتدائی تعلیم کی کتابون مین مقامی خصوصیات کا لحاظ
رکھنا نہایت ضروری ہے درسی کتب سے صرف دماغی ترقی ہی کا کام نہین لینا
چاہیے بلکہ ان کے ذریعہ سے حب وطن، اتفاق، وفاداری اور خلوص و ایثار
کے جذبات بھی دلون مین پیدا کرنا چاہین۔ اور اس لئے میری رائے ہے کہ
ہمین اپنے مدارس کے لئے جدید کتابین تالیف کرانی چاہین جن مین ان باتون کا
خیال رکھا جائے۔

مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ جہان تک سرکار کا تعلق ہے، تعلیمی ترقی و اصلاح
مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا جائے گا خصوصاً ایسے زمانے مین جب کہ خود

اعلیحضرت اقدس خلد اللہ ملکہ تعلیم کے بڑے حامی اور سرپرست ہین، یہ ممکن نہین کہ اس بارے کسی قسم کی کوتاہی اور تساہل ہوسکے۔ لیکن جب تک ملک کے روشن خیال اور تعلیم یافتہ اصحاب سرکار کے ہاتھہ نہ بٹائین گے اس مین کامل کامیابی نہین ہوسکتی۔ ہمین یہ سمجھہ لینا چاہیئے کہ بے علمی کے معنی اب صرف جہالت ہی نہین بلکہ اس مین افلاس، رذالت اور زوال کے معنے بھی پنہان ہین۔ اور اس لیئے ہم سب کا فرض ہے کہ سچے جوش اور خلوص کے ساتھہ اس کام کو کرین اور مشنریون کے طرح ملک مین جگہ جگہ تعلیم کی اشاعت کے درپے رہین اور جو لوگ اس مقدس کام مین مصروف ہین اُن کی عزت و توقیر کرین تب کہین جاکے اُس نقصان کی تلافی ہوسکتی ہے۔ جو ہمارے ملک کو پہنچا ہے۔ خدا کے فضل سے اس ریاست کو ہر قسم کی آسانیان حاصل ہین۔ ملک کا رقبہ، اس کے ذرایع آمدنی، اس کی آبادی اس کی پیداوار، اس کے قدرتی مناظر، اس کی تاریخی وقعت یہ سب چیزین ایسی ہین جو ہمارے لیئے حوصلہ افزا ہین، اور سب سے بڑھ کر جو ہمین تفوق ہندوستان کے دوسرے حصون پر حاصل ہے وہ یہ ہے کہ یہان ہندو مسلمان آپس مین بھائی بھائی ہین۔ اُن کی ضروریات اور خواہشات سب ایک ہین اور اُن کے تعلقات باہمی ایسے ہین کہ ہندو مسلمان کا امتیاز جو دوسرے مقامات مین پایا جاتا ہے یہان خیال مین بھی نہین آتا۔ یہ اس ریاست کے اعلے خصوصیات مین سے ہے اور آج سے نہین بلکہ صدہا سال سے ہے

اور خدا نے چاہا تو یہ خصوصیت ہمیشہ قائم رہیگی اور ہندوستان کے دوسرے صوبے اس سے ایک بے بہا سبق حاصل کرینگے - لیکن زمانہ حال میں ایک اور جدید عنصر ایسا پیدا ہو گیا ہے جس نے ہمارے سابقہ تعلقات کو اور مستحکم کر دیا ہے وہ عنصر اردو زبان ہے اس سے قبل یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی لیکن وہ پھر غیر زبان تھی - اس کی جگہ اب اردو نے لے لی ہے جو ایک ہندی اور آریائی زبان ہے اور ہندو مسلمان دونوں قوموں کی متفقہ کوشش سے پیدا ہوئی ہے اور اُسے قدیم پراکرت سے وہی تعلق ہے جو ہندوستان کی دوسری آریائی زبانوں کو ہے - جو شخص مرہٹی - گجراتی وغیرہ زبانیں جانتا ہے وہ جب ان زبانوں پر اصول لسان کے لحاظ سے نظر ڈالے گا تو فوراً یہ کہیگا کہ یہ بہنیں بہنیں ہیں - ہندوستان کو جانے دیجئے اسی ایک ریاست کو لیجئے - جس میں کئی مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جب دو فرقوں یا مختلف مقامات کے لوگ جو ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف ہیں، باہم گفتگو کرنا چاہیں گے تو ان کا ذریعہ اظہار خیالات اردو ہوگا جو ہر شخص بول سکتا یا سمجھ سکتا ہے - گویا اردو ہم سب میں ایک زبان مشترک ہے جو ہمیں ہم خیال اور متفق بنانے میں بہت بڑی معاون ہے - میرا اس سے یہ مقصد نہیں ہے کہ مقامی زبانوں کو نظر انداز کر دیا جائے - بلکہ سررشتہ تعلیمات نے جو جدید نصاب مرتب کئے ہیں اس میں ان کی اہمیت کا پورا لحاظ کیا ہے - اور ابتدائی تعلیم مقامی یعنے ان کی

مادری زبان مین لازمی قرار دی ہے لیکن آگے چل کر یعنی اوپر کی جماعتون مین
اردو کی تحصیل بھی ضروری قرار دی۔ کیونکہ یہ اس ریاست کی سرکاری زبان ہے اور
شہرون ہی مین نہین بلکہ قصبات اور دیہات مین لوگ اردو تعلیم کے بہت شائق
ہین اور مدارس مین اردو مدرسون کے تقرر کے لیے ہمیشہ درخواستین پیش کرتے
ہین اور علاوہ اس کے اس سے ہماری اتفاق و اتحاد کے برقرار رکھنے اور ترقی
دینے مین مدد ملے گی اردو کی ابتدا ہی مختلف اقوام اور مختلف مذاہب والون کو
ہم زبان و ہم خیال بنانے کے لیے ہوئی تھی، اور اب بھی وہ یہی کام کر رہی
ہے اور اگر ہم نے دوراندیشی سے کام کیا تو آئندہ اس سے زیادہ کارآمد ثابت ہوگی
لیکن ہماری توجہ صرف ذہنی تعلیم ہی تک محدود نہ رہنی چاہیے، ہمین ان
فنون کی طرف بھی خیال کرنا ضروری ہے جنھین ہماری معاشرت اور اقتصادی
حالت مین بہت کچھ دخل ہے۔ ملک کی ضرورتین مختلف اور متعدد ہوتی ہین۔ اور
اس لیے اس مین مختلف قسم کے اہل علم و اہل فن ہونے چاہئین۔ اسے
جیسے علما کی ضرورت ہے ویسے ہی تاجرون اور دستکارون کی بھی حاجت ہے۔
ہندوستان قدیم سے اپنی صنعت اور دستکاری کے لیے مشہور چلا آرہا ہے
اور یہ شہرت کوئی معمولی نہ تھی بلکہ ہندی دستکاری اور صنعت ایسی عجیب وغریب
تھی کہ اس وقت تو کیا اب بھی غیر ملک والے اس کا مقابلہ تو کہان پوری نقل
بھی نہین کر سکتے۔ اس ریاست ہی کو لیجیے آپ اضلاع مین جائیے۔ ہر جگہ

آپ کو قدیم صنعت و دستکاری کے یادگارین ملین گی جو ہماری بے توجہی اور ناقدری
سے بڑی سسک رہی ہین - مین اون تمام اسباب پر بحث کرنا نہین چاہتا جو ہماری
قدیم صنعتون کی تنزل کا باعث ہوئین - لیکن منجملہ دیگر اسباب کے دو بڑے سبب
معلوم ہوتے ہین، ایک مشین، جس نے کاریگر ہاتھون کو بیکار کر دیا اور
دوسرے ہماری بدمذاقی اور سچ یہ ہے کہ ان مشینون نے ہماری صنعتون پر وہ
ظلم نہین ڈہایا جو ہماری بدمذاقی سے اُن پر ہوا ہے - اورنگ آباد کا ہمرو اور جامہ
اور مشروع، ورنگل کے قالین، پیٹن کی ساڑیان اور پگڑیان اور بیدر کا نفیس کام،
سدی پیٹھ کے ریشمی کپڑے، بیگل کی لکڑی پر نقاشی کیل کے کھلونے وغیرہ
وغیرہ بیسیون قسم کی ایسی چیزین ہین جو درحقیقت قابل قدر ہین اور اگر اہل ملک ان
کی قدر کرین تو اون مین از سر نو جان پڑ جائیگی، ۱۸۵۸ء مین ایک بڑی بہاری نمایش
لندن مین ہوئی تہی اس مین ایک صیغہ قالینون کا تہا - جہان ملک ملک سے قالین
آئے تہے - آج آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ سب سے بہتر قالین ورنگل کا
قرار دیا گیا تہا - اگر آج دنیا مین قالینون کی نمایش کیجائے تو کیا آپ قیاس
کر سکتے ہین کہ ورنگل کے قالین کو وہی عزت حاصل ہوگی؟ یہ سب ہماری بدمذاقی
کے کرشمہ ہین - ہمارے فنون لطیفہ مین سے قدیم فن مصوری اور فن تعمیر کو لیجیے
جن کی تمام عالم قدر کر رہا ہے اور جن کی دیکھا دیکھی شاید ہم بہی قدر کرنے لگے
ہین ابہی حال مین - ایلورا اور اجنٹہ دیکھ کر آیا ہون - ان عمارتون کو دیکھکر

آیا ہون ان عمارتون کو دیکھہ کر انسان محو حیرت رہ جاتا ہے۔ اور یہ جو عوام کہتی ہین
کہ ان کے بنانے والے دیوتا یا جنات تھے۔ میرے خیال مین سچ کہتے ہین۔ کیونکہ
جب ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہین۔ اور اُن قدیم بانیون کا خیال کرتے ہین۔ تو کسی طرح
یہ قیاس مین نہین آتا کہ وہ بھی اسی ملک کے رہنے والے تھے جس مین ہم رہتے ہین۔
لیکن انسان کے انتہائی کمال کے یہ دو نمونے صرف دیکھنے اور دیکھکر حیرت اور تعریف
ہی کے قابل نہین بلکہ یہ زندہ مدرسے ہین جو صدہا سال سے دنیا کی تعلیم کے لئے
خاموش کھڑے ہین۔ اب وقت ہے کہ ان زندہ جاوید معلمون سے ہم کچھ حاصل کرین اور
اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اورنگ آباد مین ایک آرٹ اسکول (مدرسہ
فن مصوری) صحیح معنون مین قائم کیا جاے اور اس مدرسہ کے اعلیٰ مدارج کے ہونہار
اور ذہین طالب علم اپنی عمر کا حصہ وہین گزارین۔ اور اس کمال کی تحصیل کرین جو کسی زندہ
مصور سے دنیا مین حاصل نہین ہو سکتا۔ سارے عالم مین اس سے بڑھ کر اس فن کی
کوئی اعلیٰ درس گاہ نہین ہے اور یہ تنہا میری ہی راے نہین ہے بلکہ یورپ کے
بڑے بڑے مبصرین اور ماہرین کا بھی یہی خیال ہے۔ اسیطرح دہلی و آگرہ جاے
تاج محل و موتی مسجد، جامع مسجد دہلی، قلعہ اور دیگر عمارات کے دیکھنے سے دل پر ایک
عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے اس سے نہ صرف ہمین اپنی بزرگون کی عظمت و کمال کا
خیال پیدا ہوتا ہے۔ نہ صرف اس سے سبق و عبرت حاصل ہوتی ہے اور نہ صرف
دلون مین غیرت و ترقی کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ہمارے اخلاق اور ذوق پر بھی

اثر پڑتا ہے ۔ اور صحیح ذوق یا احساس حسن تعلیم کا بڑا جزو ہے ۔ جو زندگی کے ہر شعبہ
اور ہر کام مین ہمارے رہنمائی کرتا ہے ۔

علاوہ حرفت و صنعت کی تعلیم کے تجارتی تعلیم بھی ایسی ہی ضروری ہے ۔ اور ملک
کی خوش حالی اور ترقی کا بہت کچھ دارومدار ان پر ہے ۔ حرفت و صنعت کی صحیح اصول پر
سکھانے کے لیئے سرکار کی طرف سے کوشش کی جارہی ہے اور وہ وقت بھی آئے گا
جبکہ یہان تجارتی تعلیم کے لیئے تجاویز عمل مین آئین گی

مین اب آخر مین آپ کی خدمت مین دو تین باتین عرض کرنا چاہتا ہون ۔ اول
یہ کہ اگر ہم صاحب جاہ و مال اور صاحب حکومت کی عزت کرتے ہین ۔ تو اس سے زیادہ
نہین تو اُسی قدر ہمین صاحب علم کی بھی عزت کرنی چاہیئے ۔ جو لوگ علم حاصل کرتے ہین
اور علم کی اشاعت کرتے ہین ۔ وہ ہماری عزت کے بدرجہا زیادہ مستحق ہین بہ نسبت اُن
لوگون کے جو مال و دولت کے جمع کرنے مین مصروف ہین ۔ ایک مدرس خواہ وہ کتنی ہی
کم تنخواہ کا کیون نہ ہو قابل وقعت ہے ۔ اس لیئے کہ وہ ملک کی بڑی خدمت کر رہا ہے ۔
اور موجودہ اور آیندہ نسلون کا محسن ہے ۔ ہمارا ملک استاد کی عزت کرنے مین ضرب
المثل ہے اور ہمارے ہان استاد کی عزت باپ سے زیادہ کی جاتی تھی ۔ اور بلاشبہ
وہ اس کا مستحق ہے ۔ دوسرے کم استطاعت اور ہونہار طلبار کی مدد کرنا ہمارا بڑا فرض
ہے ۔ ان ہی کنکرون مین جواہر بھی ہوتے ہین ۔ اور کیا معلوم کہ ان ہی مین سے ایسے
لوگ پیدا ہون جو ہمارے ملک کے لیئے باعث فخر ہون ۔ ایسے لڑکون کی مدد کرنا اپنی

ملک کی مدد کرنا ہے۔ تیسری بات جو مین آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہون وہ یہ ہے کہ ہمیشہ عام باتون اور عام مسائل پر گفتگو کرتے رہنا کچھ بہت زیادہ مفید نہین ہے، ہمین اس سے آگے قدم بڑہانا چاہیے۔ اور جس خاص فن یا شاخ کو ہم اختیار کرین اس مین منہمک ہو جائین اور ساری عمر اُسی مین صرف کر دین۔ اور اس لیے ہمارے ملک مین کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئین جو واقعات پر غائر نظر ڈالین۔ ہر ایک واقعہ کی پوری چھان بین کرین۔ اُسی جانچین اور تولین اور کُرید کُرید کر جزئیات اور تفصیل پر قدرت حاصل کرین تاکہ وہ اپنے اپنے شعبہ اور فن مین ماہر اور باکمال ہون اور اُس وقت اُن کے کمال سے خودبخود تمام ملک مین ایسی روشنی پھیلے گی جسکا اندازہ ہم اس وقت نہین کر سکتے۔ کانین بہت ہین لیکن مزدور کم ہین اور انہی معزز مزدوران کی محنت اور شفقت پر ہماری خوشی ہماری کامیابی اور ہماری فلاح کا انحصار ہے۔

چوتھی درخواست میری یہ ہے کہ جہان ہم اپنی ذات کے لئے اتنا کچھ کرتے ہین۔ وہان ہم تھوڑا سا کچھ اپنے ملک کے لئے بھی کرین۔ ہم دنیا مین تنہا نہین ہین اور نہ ہو سکتے ہین ہماری ساری حالتین اور ساری امیدین اپنے ملک سے وابستہ ہین۔ ملک کی فلاح مین ہماری فلاح اور ملک کے نقصان مین ہمارا نقصان اس لئے ہمین کچھ ایثار سے بھی کام لینا چاہیے۔ اگر ہم مین اپنے ملک کی کچھ محبت ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اُن خوفناک آفتون سے بچنے کے لئے

جو جہالت سے پیدا ہوتی ہیں خلوص و ایثار جوش و صداقت سے کام لیں جہالت کا مقابلہ کریں اور علم کا نور تمام ملک میں پھیلائیں۔ ایثار و خلوص وہ خوبیاں ہیں کہ جس قوم و ملک میں پیدا ہو گئیں انہیں کوئی قوت ترقی سے نہیں روک سکتی۔ حضرات۔ وقت کم ہے اور کام بہت۔ رستہ کٹھن ہے اور منزل مقصود دور۔ اس لیے آؤ اب یک زبان و یک دل ہو کر اس مقدس کام کو شروع کریں جس پر ہمارے ملک کی ترقی و اصلاح کا دارومدار ہے۔ اور خدا سے دعا کریں کہ وہ ہمارے ارادوں اور ہمتوں میں برکت دے اور ہم سب کو نیک توفیق عطا کرے۔ اور ہمارے آقائے ولی نعمت حضور پر نور سرکار عالی متعالی خلد اللہ ملکہ کی صحت و اقبال و عمر میں ترقی عطا فرمائے۔ کیونکہ اُن کی کامیابی میں ہماری کامیابی اور اُن کی عظمت و اقبال میں ہماری عزت و مسرت ہے۔ آمین

خطبۂ افتتاحیۂ صدارت

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ مدراس

بمقام وانیم واڑی

(۲۸، ۲۹ و ۳۰ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء)

صدر کانفرنس

عالیجناب محمد اکبر نذر علی حیدری اسکوائر بی اے

ہوم سکریٹری دولت آصفیہ

مطبع اختر دکن واقع افضل گنج حیدرآباد میں طبع ہوا

۷۸۶

حضرات! جس طرح بعض اوقات افراد پر مصیبت پڑتی ہے، بعض قوموں پر ادبار چھا جاتا ہے اسی طرح کبھی کبھی ساری دنیا پر بلا نازل ہوتی ہے جسمین تمام بنی نوع انسان کو، معصوم ہون یا خاطی۔ امیر ہون یا غریب، چھوٹے ہون یا بڑے، یہان تک کہ بے زبان مخلوق کو بھی مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ آج کل ایک ایسی ہی بلائے عظیم اس عالم پر مسلط ہے۔ دو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے کہ ایک ہولناک جنگ یورپ مین چھڑی ہوئی ہے جس کے کشت و خون قتل و غارت، ظلم و سفاکی اور اقتصادی و اخلاقی غارت گری کی نظیر تاریخ مین نظر نہین آتی۔ اور جس کے تباہ کن نتائج دنیا کے گوشہ گوشہ مین نمایان ہین۔ ہر جگہ اسی کا چرچا ہے۔ ہر قسم کے کاروبار و معاملات مین خلل پڑ گیا ہے۔ ایسے پر آشوب زمانہ مین تعلیمی منصوبون کا عمل مین لانا سخت دشوار ہے۔ لیکن اگرچہ سرمایہ کی قلت ہماری سدّ راہ ہوا اور دیگر وسائل و ابواب ترقی ہم پر بند ہون، مگر ہمارا دماغ اور تخیل ایک حد تک آزاد ہے۔ ہم ان مسائل علمی پر باطمینان کامل غور کر سکتے ہین جن کے لئے وقت مرکا رہے۔

ہم اُن تجاویز کے انتظامات اور تخمینون کا اندازہ کرسکتے ہین جن کی آگے چل کر ہمین ضرورت پڑیگی۔ اور ہم اُن تمام امور پہ آزادی و دوربینی کے ساتھ نظر ڈال سکتے ہین جن پر ہماری ترقیون کا دارومدار ہے - تاکہ جب یہ منحوس زمانہ ٹل جاے اور بڑے بول کا سر نیچا اور سچ کا بول بالا ہو اور متحدین اس نصب العین تک پہنچ جائین جس کیلئے وہ ہر قسم کی قربانی کر رہے ہین اور امن وانصاف پسند برطانیہ اس طوفان خیز تلاطم سے سرخرو ہو کر نکلے - تو ہم احتیاط، آسانی اور خوبی اور عجلت کے ساتھ اُن تمام منصوبون کو عمل مین لاسکین اور ایک حد تک اس دور انتشار کی تلافی کرسکین -

اس لیئے اس کانفرنس کا یہ اجلاس گویا ایک قسم کی تیاری ہے آیندہ اصلاحات کی - یہ تحریک ہے اُن مباحث کی جن پر غور کرنا ہمارے تعلیمی بہبودی کے لیئے ازبس ضروری ہے - یہ سعی ہے اُس نصب العین تک پہنچنے کی جس کے بغیر ہماری تعلیمی کوششین نا مکمل رہین گی - مین نہین جانتا کہ مین کن الفاظ مین اُس قابل فخر عزت کا جو آپ نے مجھے اس مجلس کی صدارت سے بخشی ہے - شکریہ ادا کرون - میرا استحقاق (اگر کوئی ہوسکتا ہے) تو صرف اتنا ہے کہ مین اپنی ملازمت کے دوران مین سولہ برس قبل یہان دس ماہ تک مقیم رہا - اگرچہ یہ بہت قلیل مدت تھی، مگر مین اس زمانہ کو کبھی نہین بھول سکتا اور اُسکی یاد اب تک میرے دل مین تازہ ہے - اور اُن صاحبون مین

سے جن کی دوستی کی عزت مجھے حاصل ہوئی سب سے مقدم نام مسٹر محمد ابراہیم قریشی کا ہے
جو اُن چند بے نفس اور مخلص کام کرنے والون مین سے ہین۔ جن کی مساعی جمیلہ سے
وانیم واڑی قریب زمانے مین جنوبی ہند کا علیگڈھ ہونے والا ہے۔ اب یہ
امر کہ مجھ مین اس خدمت کے انجام دینے کی کہان تک صلاحیت و اہلیت ہے جو آپ نے
بکمال عنایت و عطوفت میرے سپرد کی ہے۔ اسکی نسبت مین قبل از قبل۔ عرض
کئے دیتا ہون کہ مین ایک عرصہ سے ایک دیسی ریاست مین ملازم ہون جو اپنی وسعت
و رقبہ مین احاطہ مدراس سے کچھ ہی کم ہے اور جہان کے حالات برٹش انڈیا سے بہت کچھ
مختلف ہین اور اپنی حیثیت کی وجہ سے خاص نوعیت رکھتے ہین۔ لہٰذا یہ ظاہر ہے کہ
اس دوری کی وجہ سے برٹش انڈیا کے بعض اہم اور خاص معاملات سے پہلا سا گہرا اور
ذاتی تعلق نہین رہا۔ اور علاوہ اس کے مین آپ کے صوبہ سے بھی ایک مدت تک
دور رہا ہون۔ اور اسلئے ممکن ہے کہ مین ایسے امور مین جن کا تعلق انسانی جذبات اور
محسوسات سے ہے آپ کے خیالات کی تہ تک نہ پہنچون یا اُن حالات کی عدم واقفیت
کی وجہ سے جو اس زمانے مین آپ کے گرد و پیش پیدا ہوگئے ہین، ممکن ہے کہ
بعض بعض باتون مین مجھ مین اور آپ مین توافق نہو۔ اس لئے آپ میرے
خیالات کو ایسے مستند اور قطعی خیال نہ فرمائین جو صرف سرداران ملت کا حق ہے

بلکہ آپ انہین محض رائین اور مشورے تصور فرمائین جو اس خالص ہمدردی کیوجہ سے میرے دل سے نکلے ہین جو مجھے آپ کی بے ریا اور سچی کوششون سے ہے ممکن ہے کہ میرے یہ ناچیز مشورے ان اہم مسائل مین کچھ مدد دین جنکے حل کرنے مین آپ مصروف ہین۔ اور اس سے یاد مجھے کسی چیز کا دعویٰ نہین ہے

ابتدائی تعلیم

حضرات! ایک زمانہ ایسا بھی تہا کہ ہمین تعلیم کی ضرورت و اہمیت کے متعلق تقریرون کی نہین بلکہ وعظون کی ضرورت پڑتی تہی۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ زمانہ جا تا رہا اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے جسمین ہماری کوششین صحیح رستہ پر آرہی ہین مجھے اب اس بارے مین کسی تلقین اور نصیحت کی ضرورت نہین لیکن اس بات کی ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے کہ جسطرح ایک ساہوکار دیوالی کے روز اپنے کاروبار اور آمد و خرچ کا حساب لگاتا ہے ہم بہی سال مین ایک بار اپنی کوششون اور محنتون کا حساب لگائین اور دیکھین کہ گزشتہ سال کے مقابلہ مین ہم نے کیا ترقی کی ہماری کوششون اور محنتون کا کیا نتیجہ نکلا ہمارا تعلیمی کاروان کس منزل پر ہے۔ اور آیندہ ہمارا پروگرام کیا ہوگا لہذا اگر مین جنوبی ہند کے مسلمانون کے متعلق چند واقعات کا اظہار کرون تو اُمید ہے کہ آپ اُسے صبر و اطمینان سے سماعت فرمائینگے ہندوستان کے تمام صوبون مین باستثنائے ممالک متوسط مدراس مین مسلمانون کی سب سے زیادہ کم آبادی ہے یعنی دس ہزار مین صرف ۶۶۲! البتہ جب خواندہ آبادی کا شمار کیا جاتا ہے تو مدراس کے خواندہ مسلمانونکا تناسب دوسرے صوبون کے مسلمانو بلکہ ہندوٗن سے بہی زیادہ ہوتا ہے۔ گزشتہ مردم شماری کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کے مسلمانون مین ہزار مین ۲۶ امرد اور ۱۱ عورتین خواندہ

ہین۔ حالانکہ یہان ہندؤن مین ۱۳۵ مرد اور ۱۱ عورتین ہین۔ مسلمانان بمبئی
مین ۵۰ مرد، ۷ عورتین، بنگال مین ۲۷ مرد اور دو عورتین، صوبجات متحدہ
مین ۵۰ مرد ۶ عورتین، پنجاب مین ۲۷ مرد اور دو عورتین ہین حیدرآباد
مین ۱۰۳ مرد اور ۱۳ عورتین خواندہ ہین۔ گزشتہ پنج سالہ
تعلیمی رپورٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدراسی مسلمان طلبہ تناسب دیگر تمام
اقوام کے طلبا کے مقابلہ مین زیادہ ہے۔ حالانکہ پنجاب مین جہان مسلمانون
کی آبادی تقریباً ۵۵ فیصدی ہے مسلمان قابل تعلیم عمر کے بچے بمقابلہ جملہ
اطفال قابل تعلیم کے صرف ۳۹ فیصدی ہین بمبئی مین جہان مسلمان ۱۸
فیصدی ہین مسلمان اطفال زیر تعلیم ۱۶ء۶ فیصدی ہین۔ سنہ ۱۹۱۲ء مین
مدراس مین قابل تعلیم عمر کے اطفال مین ۹ فیصدی مسلمان بچے تھے حالانکہ
ہماری آبادی صرف ۶ء۶ فیصدی ہے۔ یہ واقعات بلاشبہ موجب مسرت
ہین۔ اور اس سے جنوبی ہند کے مسلمانون کی مستعدی اور عملی قابلیت کا
اظہار ہوتا ہے۔ لیکن ہمین ان اعداد و شمار پر بھولنا نہین چاہیے کیونکہ تمام
ہندوستان مین مسلمانون کی ابتدائی تعلیم کی حالت اسلیے خوش آیند ہے کہ ان
اعداد و شمار مین ان بچونکا بھی شمار کیا گیا ہے۔ جو ان مکتبون مین پڑھتے ہین جہان
صرف قرآن پڑھایا جاتا ہے اور جو جہالت کے رفع کرنے مین بالکل کارآمد نہین ہین اگرچہ گذشتہ
مردم شماری کے معیار کے لحاظ سے مدراس مین مسلمان خواندہ اشخاص کی تعداد دوسرے صوبونکے
مسلمانون بلکہ ہندؤنکے مقابلہ مین بھی بہت قابل اطمینان ہے مگر پھر بھی ہندؤنکی ترقی یافتہ
ذات یعنی برہمنو نسے بہت کم ہے یہ مکاتب ہمارے پاس بطور خام مسالے کے ہین اگر ہم
حقیقت مین اپنی قوم کیلیے کوئی کام کرنا چاہتے ہین تو نہایت ضروری ہے کہ ہمین ضروری اصلاح کیجائے

اور میری راے مین اس اصلاح کا عمل مین لانا کوئی زیادہ مشکل کام نہین ہے۔
صرف یہ کرنا ہوگا کہ ان ہی مکتبون مین اردو نوشت و خواند اور حساب کی تعلیم اور اضافہ
کر دی جاے۔ اگر آپ کی کانفرنس اس کام کو اپنے ہاتھ مین لے لے اور مساجد
کے مکاتب اور اسی قسم کے دوسرے مدرسون مین اس تعلیم کی ابتدا کر دے تو
ملک پر بڑا احسان ہوگا۔ پھر یہ آسانی سے ممکن ہوگا کہ یہی لڑکے بڑے مدارس
مین شریک ہوکر تعلیم جاری رکھ سکین گے اور اگر یہ نہ بھی ہو تو یہ کیا کم ہے کہ انہین
لکھنے پڑھنے کا ذوق پیدا ہو جائے گا اور ان مین سے اکثر اپنا مطالعہ جاری رکھ کر
اپنے ملک قوم اور اپنی گورنمنٹ کے مفید ثابت ہونگے۔ سرکار نظام نے یہ تہیہ
کر لیا ہے کہ ان مکاتب کو فیاضانہ امداد دیکر دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم کو رائج
کرے اور جہان تک ممکن ہوا انہین کار آمد بناے اور جہالت کے زور کو توڑے
آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے کسی صوبہ مین خواندہ اشخاص کی تعداد
اس قدر نہین ہے جتنی کہ برہما مین۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہان بدھ خانقاہون
مین ابتدائی تعلیم عام طور سے دی جاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم قومی ترقی کا جزو اعظم
ہے۔ اور جب تک ہم اسے ایک زندہ چیز نہ بنائین گے جو نشو و نما پا سکے،
بڑھ سکے اور بار آور ہو سکے۔ اُس وقت تک اعلیٰ تعلیم اور روشن خیالی کی توقع

عبث ہے۔ ابتدائی تعلیم کو با کار اور مفید بنانے کے ساتھ ہمارا پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ وہ ہزارون اور لاکھون اسلامی مکتب جو غفلت و تاریکی مین پڑے ہین، انہین روشنی مین لایا جاسے۔ اور ضروری اصلاح کے ساتھ انہین ایک تعلیمی قوت بنایا جائے۔ جس سے نہ صرف یہ فائدہ ہوگا کہ ہماری نظام تعلیم مین ایک مضبوط کرٹی کا کام دین گے بلکہ ہزارون اور لاکھون مسلمان بچے جو ہر سال جہالت کا شکار ہوتے ہین علم کی نعمت سے (خواہ وہ کیسی ہی قلیل کیون نہو) بہرہ ور ہو سکین گے۔ اگر آپ کی کانفرنس اس حصۂ ملک مین اس کام کو شروع کردے اور ہر ضلع مین اس اصلاح کو عمل مین لانے کے لئے کمیٹیان قایم کرے۔ جن کا یہی کام ہو کہ وہ ان مکاتب کو مفید ابتدائی تعلیم کے مدرسے بنا دین۔ تو یہ ایک ایسا کام ہوگا کہ اس پر جس قدر محنت کیجاے اور صرف کیا جائے کم ہے۔ کیونکہ یہ بنیادی اور اصولی اصلاح ہوگی۔ اور اغلب ہے کہ ہندوستان کے دوسرے حصص کے مسلمان بھی اس کی تقلید کرین۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کی کانفرنس کی انتظامی مجلس ضرور اس امر پر غور کریگی اور جہان تک جلد ممکن ہوگا اس قسم کی کمیٹیان مختلف مقام مین قایم کردے گی۔

ہم نے بہت وقت کھو یا ہے۔ ہم بہت پیچھے رہ گئے ہین اس لئے اب زیادہ دیر کرنا ہمارے حق مین سمِ قاتل ہوگا۔

ثانوی تعلیم

ابتدائی تعلیم کے بعد جب ہم مسلمانون کی ثانوی تعلیم پر نظر ڈالتے ہین
تو یہ دیکھکر رنج و افسوس ہوتا ہے کہ تعلیم کی اس منزل ہین مسلمان بہت
پیچھے رہ گئے ہین سرکاری تعلیمی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ۔
تعداد طلبہ بہ مدارس ثانویہ (بابتہ سنہ ۱۵ء) ۶۷۹۱ تھی
اور (سنہ ۱۴ء) ہین ۶۵۴۳
امتحان کے نتائج حسب ذیل ہین۔
سنہ ۱۴ء ہین ۱۶۰ مسلمان طلبہ کو اسکول لیونگ سرٹیفکٹ دئے گئے
اور امتحان میٹرکولیشن ہین ۳ ہین سے صرف ۲ کامیاب ہوئے
سنہ ۱۵ء ہین ۱۷۰ کو اسکول لیونگ سرٹیفکٹ دئے گئے اور امتحان
میٹرکولیشن ہین ۲ ہین سے ایک کامیاب ہوا۔
مسلمانون کی تعداد پرائمری تعلیم ہین بمقابلہ انکی مردم شماری ۳۰،۴ ہے اور ہنود کی
لیکن اگر اس تعداد کا جو مدارس ثانویہ ہین پڑھتے ہین اس تعداد سے مقابلہ کیا
جائے جو مدارس ابتدائی ہین ہین تو مسلمانون کی تعداد ۵،۵ ہوتی ہے اور ہنود کی
تعداد ۳،۱۰ گویا ثانوی تعلیم کی فیصدی سے بالکل برعکس ہے لیکن برہمنونکی تعداد
سب سے زیادہ ہے یعنی ۲،۵۵ فیصدی۔ کامیاب طلبہ کی تعداد نہایت کم ہے۔
اس کمی کے متعلق وجہ سے یہ کہا گیا ہے کہ مدارس ہین مسلمان طلبہ کو خاص خاص مشکلات
ہین اول تو یہ کہ سرکار اپنے آپکو صرف ابتدائی تعلیم کی ذمہ دار خیال کرتی ہے تعلیم ثانوی
کو وہ زیادہ تر افراد یا جماعتونکی فیاضی اور ہمدردی ملکی یا قومی جوش یا عیسائی مشنریونکی سعی پر چھوڑ

دیتی ہے یا ایک حد تک میونسپل یا لوکل بورڈ کی مالی امداد پر۔ مسلمان چونکہ مفلس ہین۔ اسلیئے
وہ اپنے مدارس جدا قایم نہین کر سکتے یا اگر کرتے بھی ہین تو سرمایہ کے کافی نہونے
کی وجہ سے مفت تعلیم نہین دے سکتے۔ اور مسلمان طالب علم فیس ادا کرنے کی
استطاعت نہین رکھتے۔ حالانکہ دوسری اقوام اپنے خانگی مدارس قائم کرنے اور
فیس وصول کرتے ہین جس سے انہین ایک حد تک مالی امداد ملتی ہے۔ ان خانگی
مدارس مین مسلمان طالب علمون کو بڑی دقت پیش آتی ہے۔ یا تو بانی مدرسہ کی وصیت
یا خواہش کی وجہ سے یا دیگر قواعد یا حالات کی بنا پر وہ اس قسم کے مدرسون مین داخلہ
سے محروم رہ جاتے ہین۔ ایک اور مشکل مسلمان طالب علمون کو اپنی زبان
کی ہے۔ وہ یہ کہ ان مدارس مین اردو زبان کی تعلیم کا کوئی انتظام نہین خواہ
وہ مدارس میونسپل بورڈ کے ہون یا سرکار کے۔ مسلمان کسی صوبہ کے ہون
اردو کو اپنی قومی زبان سمجھنے لگے ہین۔ اور اس زبان کی تحصیل کو اپنا فرض
سمجھتے ہین کیونکہ علاوہ اتحاد قومی کے وہ اُن کے لیئے تہذیب ذوق اور
حصولِ علم دینی و دنیوی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اور اس کی تعلیم کا انتظام نہو نا در حقیقت
مسلمان طلبہ کے لیے ایک بڑی سدراہ ہے۔ سررشتہ تعلیم احاطہ مدراس نے
بھی اس دقت کو محسوس کیا ہے اور سر اے بورن کہتے ہین کہ ایسے

ثانوی مدارس جن مین ذریعہ تعلیم اردو ہو بہایت کم ہین - اور نیچے
کی جماعتون مین جہان ذریعہ تعلیم دراوڑی زبان ہے۔ مسلمان بڑے خسارے
مین ہین - ان سب سے بڑی مشکل ایک اور ہے کہ مسلمانون کو اب تک دنیوی اعلے
تعلیم کی طرف سے بے اعتنائی سی ہے اور اگرچہ اب یہ بہت کم ہوتی جاتی ہے
لیکن پھر بھی کام کرنے والون کی مشکلات مین اس سے کچھ نہ کچھ اضافہ ہوجاتا ہے
یہ مشکلات اس قدر دل شکن اور مایوس کن ہین کہ جب تک ان کے رفع کرنے
کے لیئے استقلال اور ہمت سے کام نہ لیا جائے گا - ثانوی تعلیم کی ترقی ممکن
نہین - اس مین شک نہین کہ مدارس مین مسلمان طلبہ سے نصف فیس وغیرہ کی جو رعایت
کی جاتی ہے وہ ہرگز کافی نہین اس سے اُن کی تعداد مین نہ کچھ اضافہ ہوتا ہے
ورنہ اعلی تعلیم کی ترغیب پیدا ہوتی ہے - سنہ ١٨٨٢ء کے مشہور تعلیمی کمیشن نے
مسلمانون کی تعلیم کے متعلق یہ قرار دیا تھا کہ سررشتہ تعلیمات کی ہر رپورٹ
مین تعلیم مسلمانان کے لیے ایک علیحدہ باب مخصوص کردیا جاوے - اور
مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانان مدراس کی یہ بڑی خواہش ہے کہ اس کام کے
لیے ناظم تعلیمات کا ایک خاص مددگار ہو جس کا درجہ یورپین مدارس کے
انسپکٹر کے مساوی ہو اور اس کا تعلق راست ناظم تعلیمات سے رہے -

اور یہ کہ اسلامی مدارس کا ویسا ہی خاص لحاظ رکھا جائے جو یورپین اور یورپین
مدارس کا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ بنگال مین ایسے عہدہ دار کا تقرر ہوا ہے۔

اپریل ۱۹۱۳ء مین گورنمنٹ آف انڈیا نے پھر ایک سرکلر جاری کیا جس مین
اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ اگرچہ مسلمانون نے ابتدائی تعلیم مین خاصی ترقی کی ہے
لیکن اعلیٰ تعلیم مین وہ بہت پیچھے ہین۔ اور اس بارے مین گورنمنٹ نے یہ مشورہ
دیا کہ مکتبون مین دینوی تعلیم کے رواج کی ترغیب دی جائے۔ جہان کہین ضرورت
ہو اردو تعلیم کا انتظام کیا جائے اور نیم مکتب مدرسون مین خاص نصاب تعلیم مقرر کیا جائے
موجودہ مدرسون اور اسلامی کالجون اور اسکولون کی اصلاح کیجائے۔ اور مناسب
مقامات مین مسلمانون کے لیے جدید مدارس قائم کیے جائین۔ اسلامی دارالاقامہ
مسلمان مدرسین اور انسپکٹر مقرر کیے جائین نیز مدارس اور کالجون کی انتظامی
کمیٹیون مین ایک واجبی تعداد مسلمانون کی بھی ہونی چاہیے۔

اگر ۱۸۸۲ء کے کمیشن اور اس سرکلر کی منشاء کے مطابق ہم ان امور کا
مطالبہ کرین تو کچھ بیجا نہو گا۔ میرا اس سے ہرگز یہ مقصد نہین کہ ہم اپنی یہ درخواست
بھکاریون کی طرح سرکار کے سامنے لیکر جائین یا ہم اس کا مطالبہ دوسری
اقوام کے مقابلہ مین بطور خاص رعایت کے کرین۔ بلکہ ہمارا یہ مطالبہ

ہندوستان کے عام فوائد کے لیے نیز دوسری اقوام اور گورنمنٹ دونوں کے حق مین بہتر اور مفید ہوگا - مین ہرگز یہ پسند نہین کرتا کہ ہم گورنمنٹ کی نظرون مین حقیر ہون، یا اپنے دوسرے بھائیون کے نقصان مین ہون - یہ فعل ہماری خودداری کے منافی اور دوسری اقوام کے حق مین غیر منصفانہ ہوگا - میرا یہ عقیدہ ہے کہ دیانت بہترین طرز عمل ہے، خواہ اس کا تعلق افراد کی خانگی زندگی سے ہو، یا اقوام کی سیاسی زندگی سے - اور ہم مختلف اقوام جو ایک ملک ایک آب و ہوا اور ایک حکومت کے ماتحت رہتے ہین، تو ہمارا یہ رہنا ہی ایک قسم کا معاہدہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے معاون ایک دوسرے کے بہی خواہ اور ایک دوسرے کے نازبردار ہین - یہ خالی الفاظ نہین بلکہ میرا دلی عقیدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ مین اس تدبیر سے زیادہ مقدم اور زیادہ اہم اس اصول کو سمجھتا ہون کہ مسلمان اپنی مدد کے لیے خود آمادہ ہون اور اپنے پاؤن پہ خود کھڑا ہونا سیکھین تاکہ دوسرون کے دست نگر اور محتاج نہ رہین - چونکہ مسلمان ملک کے مختلف حصون مین منتشر اور متفرق ہین اور مدراس جیسے احاطہ مین انکی

تعداد بہت قلیل ہے، لہذا اُن کا یہ فرض ہے کہ تعلیمی اغراض کے لیے ہر قسم کا بار اُٹھائین اور مشقت سہین۔ اور ایسی حالت مین مین اس بات کی شدید ضرورت سمجھتا ہون کہ آپ صاحب اس امر پر غور کرین کہ آیا یہ مناسب ہوگا کہ مسلمان گورنمنٹ سے یہ درخواست کرین کہ اُن پر ایک تعلیمی سیس اس ٹکس کے ساتھ اضافہ کر دیا جاے جو وہ زر مالگزاری یا انکم ٹکس یا کسی اور ذریعہ سے سرکار کو ادا کرتے ہین۔ اور وہ تمام رقم مسلمانون کی تعلیم پر صرف کیجاے۔ لیکن قبل اسکے کہ اس قسم کی تجاویز قطعی طور سے طے کی جائین یا کوئی درخواست گورنمنٹ مین پیش کیجاے یہ ضرور ہے کہ اعداد وشمار اور وسائل و ذرائع کی کامل تحقیقات کر لی جاے۔ ایک دوسری تجویز جو اس سے زیادہ آسان اور بہتر نظر آتی ہے وہ یہ کہ ہندوستان کے اکثر مقامات کے سوداگر بعض مذہبی یا خیراتی کامون کے لیے فی روپیہ ایک پیسہ یا آدھ پیسہ اپنے خریدارون سے لیتے ہین۔ یہ قلیل جز کسی پر گران نہین گزرتا لیکن تھوڑا تھوڑا بہت کچھ ہو جاتا ہے اور اسکی نظیرین موجود ہین کہ اسی حقیر رقم کے بدولت بڑے بڑے عظیم الشان کام وجود مین آگئے ہین۔ کیا وانیم بادی اور مدراس کے مسلمان سوداگر اس طریقہ کو اپنے ہان جاری نہین کر سکتے؟ مین ان سے درخواست کرتا ہون کہ وہ اس پر

ضرور غور کرین میری قطعی راے ہے کہ جنوبی ہند مین مسلمانون کی تعلیم
کے خاص مسئلہ کے حل کرنیکے لیے اس سے بہتر اور موثر کوئی دوسرا طریقہ نہین ہے

اسی ضمن مین آپ کی توجہ اُن الفاظ کی طرف مبذول کرانا
چاہتا ہون جو گورمنٹ آف انڈیا کی رپورٹ بابت ۱۹۱۴ء مین مسلمانون
کی عام تعلیمی حالت کے متعلق درج ہین - گورمنٹ انڈیا نے اس امر کا
اظہار کیا ہے کہ بعض صوبون کی رپوٹون سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان
سرکاری مدرسون مین زیادہ خواہش سے داخل ہوتے ہین اور اسلامی
مدارس مین داخل ہونے سے احتراز کرتے ہین - اور اگرچہ مدراس
مین مسلمان طالب علمون کی تعداد مین قابل اطمینان ترقی ہوئی ہے تاہم
خاص اسلامی مدارس مین اُن کی تعداد تخمیناً دس ہزار کم ہوگئی ہے -

بمبئی کے اسلامی ہائی اسکول کی نسبت یہ معلوم ہوا ہے کہ باوجود بہت سی
فوائد کے خوش حال والدین اپنے بچون کو دوسرے مدارس مین بھیجنا
زیادہ پسند کرتے ہین - ناظم تعلیمات صوبہ بہار نے اس سوال کا جواب
دیتے ہوئے کہ آیا مسلمان درحقیقت تعلیمی معاملہ مین غفلت کرتے ہین -
یہ کہا ہے کہ اُن کی غفلت صرف اسبات مین پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے

بچون کو خالص اسلامی مدرسون مین بہیجنا نہین چاہتے - مین گورنمنٹ آف انڈیا
کے اس خیال کے متعلق کسی راے کا اظہار کرنا نہین چاہتا سواے
اسکے کہ واہیم واڈی ہائی اسکول کی ترقی عمدہ تعلیم وتربیت اور ہردلعزیزی
ہمین اس امر سے باز رکھتی ہے کہ گورنمنٹ کی اس راے کا اطلاق عام طور
سے ہر اسلامی مدرسہ پر کیا جائے - یہ بہت اہم مسئلہ ہے اور اس کا لفرض
منتظمین مدارس اور اُن جماعتون کا جنکی نگرانی مین یہ مدارس ہین یہ فرض ہو کہ
اس معاملہ کی پوری تحقیقات کرین اور دیکھین کہ آیا مسلمان بچے ان مدارس
مین اس لیے داخل نہین ہوتے کہ وہ اسلامی مدرسے ہین یا اسوجہ سے کہ ان
مدارس مین انتظامی خرابی قابل مدرسین اور سامان کا نہونا یا ڈسپلن کی کمی بلکہ
کسی اور قسم کا کوئی نقص ہے - گورنمنٹ کے ان الفاظ سے اسلامی مدارس
پر بڑا حرف آتا ہے اور اس کی صفائی کرنا ہم پر لازم ہے -

حضرات! ثانوی تعلیم کی حیثیت عجیب وغریب ہے - یہ ابتدائی اور یونیورسٹی
تعلیم کے بین بین ہے اسی پر اعلیٰ تعلیم کی کامیابی اور ملک کی عام بہبودی کا دارومدار
ہے تعلیم کا یہی درجہ ہے جہان سے نوجوان طالب علم مختلف پیشون اور زندگی
کے مختلف شعبون مین داخل ہوتے ہین اور جو تعلیم انہون نے حاصل کی ہے -

اس کا اثر حیات کے تمام مدارج پر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ہندوستان مین بلکہ دنیا کے تمام مہذب ممالک مین ثانوی تعلیم پر انتہا درجہ کا غور و خوض کیا گیا ہے نصاب تعلیم کے قایم کرنے مین بڑی بڑی کاوشین کی گئی ہین - اگر ان ممالک کی گزشتہ پچاس سال کی تعلیمی تاریخ کا مطالعہ کیا جاے تو معلوم ہوگا کہ اس تعلیم مین کس قدر انقلاب پیدا ہوا ہے اور باوجود ان تمام تغیرات و اصلاحات کے یہ مسلہ ابھی تک زیر بحث ہے اور اسکی اصلاح کا مطالبہ برابر جاری ہے - یہ بحثین نہایت مفید ہین یہ مطالبے نہایت ضروری ہین - ۱۸۹۵ء مین پرنس بسمارک نے یہ کہا تھا کہ " اگر مین اپنی قوم مین اس تیاری کو نہ پاتا جو مدارس ثانوی کی تعلیم نے پیدا کر دی تھی تو مجھے یقین نہین کہ مجھی اپنے کام مین یا اس کام مین جس مین نے حصہ لیا ہے، کبھی ایسی کامیابی ہوتی" اور حقیقت یہ ہے کہ جرمن اتحاد مین جرمن مدارس اور جرمن مدرسین نے بہت بڑا کام کیا ہے - اور اسی تعلیم پر ہماری قسمت کا بھی فیصلہ ہے -

تعلیم یونیورسٹی

ثانوی تعلیم سے گزر کر جب مین یونیورسٹی کی تعلیم پر نظر ڈالتا ہون تو مسلمانون کی حالت اور بھی پست نظر آتی ہے - آپ کو یہ سنکر افسوس ہوگا کہ ۱۴ء مین ایم اے مین صرف ایک مسلمان طالب علم شریک ہوا اور کامیاب رہا - بی - اے مین چار شریک ہوے جس مین سے تین کامیاب ہوئے - ال - ٹی مین دو شریک ہوئے

اور دونون کامیاب رہے۔ ایف ال مین چار مین سے تین کامیاب اور بی ال مین دو شریک ہوے اور دونون ناکامیاب رہے۔ انٹرمیڈیٹ کے امتحان مین ۹۵ مین سے صرف ۲۵ کامیاب ہوئے۔

۱۹۱۵ء مین ایم اے مین کوئی مسلمان نہین تھا۔ بی اے مین ۲۳ مین سے ۸ نئے قواعد کے تحت مین ۹ مین سے ۵۔ ایف ال مین تین سے ایک بی ال مین ۵ مین سے ایک انٹرمیڈیٹ مین ۱۳۲ مین سے ۲۵ کامیاب ہوے یہ گذشتہ سال کے نتائج ۱۹۱۴ء کے مقابلہ مین اور بھی خراب ہے۔ تعداد اُن مسلمانون کی جو کالج مین تھے بمقابلہ اُنکے جو مدارس ثانویہ مین تھی انکی فیصدی ۹ء۲ تھی اور ہندؤنکی ۶ء۷۔ برہمن طلبہ کی فیصدی کالج مین ۶ء۱۱ تھی یہ نتائج اور یہ تعداد بہت مایوس کن ہین۔ لیکن مجھے کامل اُمید ہے کہ جب وینم واڈی ترقی پاکر جنوبی ہند کا علی گڑھ بن جاے گا تو ہماری تعلیمی پسماندگی کی صورت بدل جاے گی اور جس طرح علی گڑھ کالج کے قیام سے صوبجات متحدہ مین مسلمانون کی تعلیم کا رنگ بدل گیا اسی طرح ایک روز وینم واڈی کی بدولت اس حصۂ ملک مین مسلمانون کی تعلیم یونیورسٹی مین نمایان اضافہ ہوجاے گا۔ اور مسلمانون کی تعلیمی سیس کا (جس کا ذکر مین نے ابھی کیا ہے) ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سرمایہ مین سے غریب ہونہار طالب علمون کو وظائف دئے جائین گے تاکہ وہ اپنی تعلیم کالج مین

جاری رکھ سکین - اور یہی وہ طالب علم ہونگے جو اس کام کو جاری رکھین گے اور
ملک مین تعلیم اور روشن خیالی پھیلانے کا ذریعہ ہونگے - لیکن کیا ایسی قلیل تعداد سے
جس کا ذکر مین نے ابھی کیا ہے ہماری یہ تمنا پوری ہو سکتی ہے؟ جب تک ہم مین
اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانون کی تعداد کثرت سے نہوگی ہم ہرگز اپنا مقصد حاصل نہین
کر سکتے - ہماری اس تعلیمی پستی کی ایک وجہ اور بھی بیان کی گئی ہے - وہ یہ کہ
قابل مسلمان تعلیمی ملازمت مین جانا پسند نہین کرتے اور لائق مسلمان مدرسین
کی عموماً کمی پائی جاتی ہے - جب تک ہم مین مسٹر ابراہیم قریشی جیسے بے ریا اور
مخلص کام کرنے والے بہت سی تعداد مین نہونگے - جب تک ہم مین سے کچھ
دنیاوی جاہ طلبی کو چھوڑ کر مشنریون کی طرح اس کام کے لیے اپنے تئین وقف
نہ کردین گے - ہم گزشتہ غفلت اور پسماندگی کی تلافی نہین کر سکتے - اس تعلیمی
پستی اور دماغی بے حسی سے جو بڑا خطرہ پیدا ہونے والا ہے وہ یہ ہے کہ کہین ہم
اُن قواے کے استعمال سے جو خداوند تعالیٰ نے ہم مین نیکی کے لیے ودیعت
کیے ہین ، محروم نہ ہو جائین - اس بڑے خطرہ کا دفع کرنا اور ان قواے کا صحیح استعمال
ان لوگون کے ہاتھ مین ہے جنھون نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے جنھون نے اپنی
ملک و قوم کے حالات پر غور کیا ہے جنھون نے پاک اور روحانی لٹریچر کا مطالعہ

فرمایا ہے اور جن کے دلون مین بنی نوع انسان کی ہمدردی کی آگ سلگ رہی ہے
غالباً اسی نظر سے مسلمان ایک عرصہ سے اسلامی یونیورسٹی کا خیال پکا رہے
ہین علی گڑہ کالج کے قایم ہونے کے بعد ہی سر سید احمد خان مرحوم نے اس مسئلہ
کو پیش کیا - وہ اس رمز کو خوب سمجھتے تھے کہ جب تک ہماری یونیورسٹی نہ ہوگی ہم
ایسے لوگ پیدا نہین کر سکتے جو ملک مین تہذیب ذوق اور روشن خیالی پھیلائین
جو قوم اور گورنمنٹ دونون کے مفید ہون اور جن مین حب وطن اور ایثار کا مادہ ہو
جن کی زندگی سادہ اور خیالات اعلیٰ ہون - زمانہ کی نامساعدت سے یہ خیال صرف
کاغذ پر رہا - چند سال ہوئے کہ چند باہمت بہی خواہان قوم نے اس خیال کو عمل
مین لانے پر کمر باندہی اور ملک کے ہر گوشہ سے اسکے استقبال کے لئے صدائے
لبیک بلند ہوئی - جس جوش و خلوص کے ساتھ مسلمانون کے ہر طبقہ نے اسمین
مدد دی ہے اسکی نظیر ہندوستان کے اس زمانہ کے مسلمانون مین نہین ملتی -
یہ عجیب بات ہے کہ اسکے کچھ عرصہ بعد ہی یونیورسٹیون کے قیام کی ایک ہوا سی
چل گئی - ہندو یونیورسٹی کو چارٹر مل گیا ہے - میسور یونیورسٹی کی تکمیل مین تھوڑی سی
کسر باقی ہے - پٹنہ - ڈھاکہ - رنگون - ناگپور مین یونیورسٹون کے قیام کا مسئلہ
زیر غور ہے - مسلم یونیورسٹی کے متعلق بہت سے سرگرم مباحثے ہوچکے ہین - اگرچہ

اس کے قیام مین تاخیر ہوئی ہے لیکن یہ تاخیر فائدے سے خالی نہین۔ مجھے
اس یونیورسٹی کے بارے مین کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہین ہے۔ میری رائے
فرقہ واری یونیورسٹیون کے متعلق صاف ہے۔ اور اس سے قبل مین کئی بار
اسکا اظہار کرچکا ہون۔ مین اصولاً ایسی یونیورسٹیون کے قیام کو پسند نہین کرتا
جوکسی خاص فرقہ یا مذہب سے تعلق رکھتی ہین۔ لیکن جب کہ ہندو مسلمانون نے یہ فیصلہ
کرلیا ہے کہ وہ اپنی یونیورسٹیان جدا جدا قائم کرین۔ تو مین نے بھی سر تسلیم خم کردیا اور اس
وقت سے مین نے ایسی یونیورسٹیون کی ترقی ونشو ونما مین جہان تک میرے
امکان مین تھا امداد دینے سے دریغ نہین کیا جو قوم کی سچی ترقی کو حامی ہین اور
جو ساتھ ہی اُن عیوب کے رفع کرنے یا کم کرنے مین ساعی ہون جو فرقہ واری
یونیورسٹی کے ساتھ لزوماً پائے جاتے ہین، اور خصوصاً ایک ایسی یونیورسٹی کی
امداد مین مجھے کم تامل ہوسکتا ہے جیسی کہ مسلمانون کی ہے۔ کیونکہ یہ ایک
ایسی قوم ہے جو علم و فراغت مین دوسرون سے پیچھے اور ملک کے مختلف حصون
مین منفرق و منتشر ہے۔ غرض اسکے متعلق بہت سے سرگرم اور پرجوش مباحثے
ہوچکے ہین۔ بہت کچھ اختلاف رائے کا اظہار ہوچکا ہے۔ اس کے بعد سکون
کی کافی مدت مل گئی ہے جس مین ہم آزادی اور اطمینان کے ساتھ اُن اہم اور

اصل مسائل پر غور کر سکتے ہیں جو یونیورسٹی کی روح رواں ہیں اور جن کے بغیر یونیورسٹی کے افادہ کا دائرہ وسیع نہیں ہو سکتا مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے خوشی ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ اب جو کانسٹی ٹیوشن بنے گا۔اس سے مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی تشفی ہو جاوے گی اور کم سے کم اس میں ہندوستان کے تمام صوبوں کے فوائد کا لحاظ رکھا جاوے گا تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ ہم سب کی یونیورسٹی ہے اور کسی ایک صوبہ یا کسی خاص خیال کے حضرات کی نہیں ہے۔اور جس طرح علیگڈھ کالج کا یہ فخر رہا ہے کہ اس کے طالب علم خاص مردانہ اوصاف اور روشن خیالی کے جوہر رکھتے ہیں اسی طرح مسلم یونیورسٹی کی ڈگری بھی اُن تمام شریفانہ اوصاف اور روشن خیالی کا تمغہ خیال کیجاوے گی۔

تعلیم نسوان

مجھے شاید اس امر کے یاد دلانے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے کہ مدارس کے اثر کی ایک حد ہے۔اس میں شک نہیں کہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم قومی زندگی کی نشوونما کے لیے لابد ہیں۔لیکن اس کے لیے محض مدارس پر بھروسہ کرنا کافی نہیں بچے کی زندگی کا سب سے نازک اور عجیب زمانہ اُس کے ابتدائی سال ہیں۔اسلئے گھر کی تربیت قومی تعلیم کا ناگزیر جزو ہے۔

تعلیم کے مختلف مدارج اور مراحل آپس مین ایک دوسرے سے ایسے گتھے ہوے ہین کہ ایک کی تکمیل بغیر دوسرے کے نہین ہوسکتی - اور ایک کے اثر سے دوسرا بچ نہین سکتا - یونیورسٹیان اُس وقت تک سرسبز نہین ہوسکتین جب تک اعلےٰ درجہ کے مدارس ثانوی ان کی مدد کے لیے نہون۔ مدارس ثانوی اُس وقت تک کامیاب نہین ہوسکتے جب تک تعلیم ابتدائی مدارس مین احتیاط کے ساتھ نہو - لیکن تعلیم کے یہ سب مدارج اُس وقت تک پورے طور پر بارآور نہین ہوسکتے - جب تک گھر کی تربیت درست نہو - غرض قومی تعلیم کی اصل بنیاد گھر کی تربیت پر ہے - اگر والدین اپنا فرض ادا نہین کرتے اور اپنا پیچھا چھوڑاتے یا اپنے فرض سے بچنے کے لیے بچونکو مدرسہ بھیج دیتے ہین تو ایسی حالت مین مدرسون سے بہت زیادہ توقع رکھنا عبث ہے - یہی وجہ ہے کہ مین اس موقع پر آپ کو تعلیم نسوان کی طرف خاص توجہ دلانا چاہتا ہون مجھ پر کیسا منحصر ہے ہم مین کون شخص ہے جو مسلمانونکی تعلیم کے متعلق بحث کرنے کے لیے کھڑا ہو اور تعلیم نسوان کا ذکر چھوڑ جائے ؟ یا کون ایسا شخص ہے جو تعلیم کا حامی ہو اور تعلیم نسوان اسکے

پروگرام مین داخل ہو؟ طریقۂ تعلیم، نصاب تعلیم یا دیگر تفصیلی امور مین اختلافات کا ہونا ضرور ہے لیکن نفس تعلیم سے کسی کو اختلاف نہین ہو سکتا۔ مجھے سرکاری رپوٹون مین یہ پڑھ کر حقیقی مسرت ہوتی ہے کہ مدراس مین تعلیم نسوان نے قابل تعریف ترقی کی ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ع کی رپوٹ مین یہ تحریر ہے کہ گزشتہ دو سال مین مسلمان لڑکیون کی تعداد دگنی ہو گئی ہے۔ سنہ ۱۵ع مین اس مین کچھ اور اضافہ ہوا۔ مدارس ثانویہ مین سنہ ۱۴ع مین مسلمان لڑکیون کی تعداد ۱۴۸ تھی سنہ ۱۵ع مین بڑھ کر ۱۳۱ ہو گئی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تعداد ابتدائی تعلیم کی ہے۔ اس مین کتنی ہونگی جنھین ہم خواندہ کہہ سکتے ہین اور کتنی ایسی ہونگی جو اس تعلیم کے پانے کے بعد اپنے گھرون مین مطالعہ کا شوق جاری رکھتی ہونگی۔ اور پھر کتنی ایسی ہونگی کہ جنھین گھر کے دھندون مین پڑ کر لکھا پڑھا کچھ بھی یاد رہتا ہوگا۔ اغلب یہ ہے کہ اس معمولی ابتدائی تعلیم کے بعد اُن مین سے اکثر تھوڑے ہی عرصہ مین پھر جاہل کی جاہل ہو جاتی ہونگی۔ مین موجودہ حالت مین ڈاکٹر واک زانٹ کے اُن پر زور الفاظ سے متفق ہون جو اُنھون نے اپنی تقریر مین فرمائے تھے وہ کہتے ہین۔

"ہمین یہ بھول نہ جانا چاہیے کہ ہماری شدید ترین ضرورت عورتون کیلیے یونیورسٹیان قایم کرنا، یا اُن کا موجودہ زمانہ کے سائینٹفک ایجادات و اختراعات مین

حصہ لینا یا عورتون کے واسطے اعلےٰ پیشون کے لیے راہ نکالنا نہین ہے۔ بلکہ اُن ہزارون لاکھون لڑکیون کے لیے تعلیم کی توسیع کرنا اور اُسے باحتیاط انجام دینا ہے جو آیندہ نسلون کی مائین ہونے والی ہین۔" کون ہے جو ان الفاظ سے اتفاق نہ کرے گا۔ یا تا کہ ہم نے اپنی لڑکیون کے لیے کالج اور یونیورسٹیان قائم نہین کین۔ لیکن کیا ہم اپنے ایمان سے یہ کہہ سکتے ہین کہ ہم نے اُن کی تعلیم کی توسیع واشاعت کا فرض کماحقہ ادا کیا ہے۔ اور کیا ہم نے صحیح معنون مین انہین اس قابل کردیا ہے کہ وہ "آیندہ نسلون کی مائین" بن سکین۔ "آیندہ نسلون کی ماؤن" کا جملہ نہایت پرمعنی ہے اور اس مین تعلیم کا نہایت وسیع اور کامل مفہوم مضمر ہے۔ ہمین یہ بھول نہ جانا چاہیئے کہ آیندہ نسلون کا زمانہ تعلیمی اقتصادی ودیگر حالات کے وجوہ سے کس قدر زیادہ ترقی یافتہ اور بہتر ہوگا۔ اُن نسلون کے لیے ماؤن کا تیار کرنا کچھ آسان کام نہین ہے۔ اور اگر ہم اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہے تو یاد رہے کہ ہم پھر کئی قرن پیچھے رہ جائین گے۔ لیکن جب مین تعلیم نسوان کی موجودہ حالت پر نظر ڈالتا ہون تو مجھے یہ کام مشکل نظر آتا ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے ہر صوبہ اور ہر حصے مین تعلیم نسوان کا چرچا ہے لیکن جہان تک مجھے خیال ہے کبھی اس اہم مسئلہ پر غور کرنے کیلیئے

باقاعدہ اور سچی کوشش نہین کیگئی ہے۔ ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد
الگ بنا رکھی ہے۔ ہر جگہ تعلیم جداگانہ ہے کبھی یہ کوشش نہین کیگئی کہ تعلیم نسوان
کے نصاب پر کامل طور سے غور کیا جائے۔ انتظامی لحاظ سے کوئی تعلق ایک مدرسہ
سے دوسرے مدرسہ کو نہین ہے۔ غرض طریقہ تعلیم و نصاب تعلیم ناقابل اطمینان،
معیار تعلیم پست، انتظامی حالت بے ترتیب و بے ترکیب ہے۔ اور آپ مجھے
معاف فرمائین گے اگر مین یہ کہون کہ ان مین سے اکثر مدرسے ایسے ہین جنھین
مدرسے کہتے ہوئے عار معلوم ہوتی ہے۔ کیا ایسی صورت مین ہم تعلیم نسوان کا
کسی طرح بھی دعوی کرسکتے ہین؟ کیا ایسی صورت مین کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصلاح
کی شدید ضرورت نہین ہے؟ مین اس موقع پر اس واجب الاحترام خاتون کا ذکر
کیے بغیر نہین رہ سکتا جو درحقیقت اپنی تعلیمی سعی و ہمدردی اپنی نیکی اور فیاضی کی وجہ سے
ہمارے قوم کے لیے باعث فخر ہے اور جسکی حکومت سے ریاست بھوپال کو
بجا ناز ہے ہر ہائینس نواب سلطان جہان بیگم خلد اللہ ملکھا نے علاوہ دیگر اصلاحا
و مساعی کے جو تعلیم نسوان کے بارے مین فرمائین۔ ایک اسکیم نصاب تعلیم کے
متعلق تیار کر کے شایع کی لیکن افسوس ہے کہ ہماری قوم نے غفلت کی وجہ سے
اسپر اس قدر توجہ نہین کی جسکی وہ مستحق تھی۔

حضرات! کیا ایسی حالت مین کسی کو انکار ہوسکتا ہے کہ اصلاح و توسیع تعلیم نسوان کے لئے نہایت مستعدی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔؟ میری یہ راے ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ صاحب مجھسے اتفاق فرمائین گے کہ اس اعلیٰ اور ضروری غرض کے لیے ایک مجلس کے قایم کرنے کی ضرورت ہے اگرچہ موجودہ حالات کی رو سے تمام ہندوستان کے لیے کسی ایک مرکزی مجلس کا قائم کرنا قبل از وقت ہوگا۔ لیکن اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہر صوبہ اور ہر حصے مین اس قسم کی مجلسین قائم کی جائین جو مقامی ضروریات کے لحاظ سے اس مسئلہ پر کامل غور کرین اور تعلیم نسوان کی توسیعُ اشاعت کی تدابیر پر مباحثہ کرین۔ اور ممکن ہو تو تعلیم یافتہ خواتین سے بھی اس مین راے لین۔ کیونکہ تعلیم نسوان کی ترقی اسی وقت ممکن ہے کہ جب اس مسئلہ کو خود خواتین اپنے ہاتھ مین لین گی۔ اسوقت تعلیم یافتہ اور روشن خیال خواتین کی کمی ہے۔ اسلیے فی الحال مردون ہی کو یہ کام کرنا پڑیگا۔ مین اس اہم مسئلہ کے تفصیلی امور پر بحث کرنا نہین چاہتا۔ لیکن بعض مسائل مختلف فیہ مثلاً نسوان کا نصاب تعلیم وہی ہونا چاہیے جو مردونکا ہے یا مختلف، کیا نسوان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمارے یونیورسٹی کے امتحانات کے لیے تیار کی جائین۔ یا نصاب تعلیم کی تیاری کس نہج پر کی جائے

یا معلمات کیونکر دستیاب کی جائین وغیرہ ایسے معاملات ہین کہ وہ قابل اور ہمدرد
تعلیم یافتہ حضرات اور خواتین کی مجلس ہین طے ہو سکتے ہین - اوران کے
متعلق ملک کے ہر حصہ کے ہمدرد و روشن خیال اصحاب سے جنھین اس مسئلہ
سے خاص دلچسپی ہے رائین طلب کیجا سکتی ہین -

حضرات ! اگر مین آپ صاحبون سے جو یہان تشریف رکھتے ہین یہ
درخواست کرون تو کچھ بیجا نہو گا کہ جہان آپ اپنی یا اپنے لڑکون کی تعلیم کی
کوشش کرتے ہین، اگر آپ اس کے ساتھ یہ بھی تہیہ کرلین کہ اپنی بیویون
بیٹون اور بہنون کو بھی اسی طرح تعلیم دین گے تو یہ ایک ایسی برکت ہوگی کہ
جس کے فواید بیان مین نہین آسکتے - اگر زیادہ نہین تو صرف یہی بات ہم
دل پر رکھ لین کہ ہم کم سے کم ایک عورت کو خواہ وہ ہماری بیوی ہو یا بیٹی - یا
بہن تعلیم یافتہ بنا دین گے تو آپ خیال فرما سکتے ہین کہ صرف اس ایک ترکیب
سے ہماری قوم مین کس قدر روشن خیالی بڑھ جاے گی - اور اس سے ہماری
سچی مسرت مین کس قدر اضافہ ہو جاے گا -

مین نہین چاہتا کہ ہماری لڑکیان خواہ مخواہ یونیورسٹیون کے امتحانات
پاس کرین اور اُن کا نصب العین سندین حاصل کرنا ہو - (اور جو ایسا کر سکتی ہین

مجھے اس سے غرض نہین) لیکن میری اصلی خواہش یہ ہے کہ اُن مین روشن خیالی ہو، مطالعہ کا ذوق ہو اپنے فرایض اور امور خانہ داری سے واقف ہون۔ اپنے مذہب اپنے ملک و قوم سے محبت ہو اور مختصر یہ کہ آیندہ نسلون کی حقیقی مائین ہون

مین نے اس مسئلہ پر کسی قدر زیادہ آپ کی سمع خراشی کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہماری اصلی ترقی سے اس قدر وابستہ ہے کہ جو کچھ مینے کہا ہے یہ بھی کم ہے۔ مین آخر مین اس مسئلہ کے متعلق ڈاکٹر (لسگن) کے اُن قابل قدر الفاظ کے سنانے کی اجازت چاہتا ہون جو ہمین ہمیشہ پیش نظر رکھنے چاہئین۔ وہ کہتے ہین۔

"ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم عورت کو محض ایک عورت کی حیثیت سے نہ دیکھین" یعنی مثل مرد کے مددگار، بچون کی مان، کام کرنے والی کی حیثیت سے جو مصیبت کی ماری اپنی گزر اوقات کے لیے مزدوری کرنے پر مجبور ہے۔ بلکہ اُسے بنی نوع انسان کا ایک رکن خیال کرین جو دوسرے انسانون کی طرح حقوق رکھتی ہے۔ ہم سب اس بات پر یقین رکھتے ہین کہ ایک نوجوان شخص خواہ امیر ہو یا غریب خواہ اس کا منشا کسی پیشہ کے کرنے کا ہو یا نہو۔ اُس کا یہ مقدس اور شریفانہ فرض ہے کہ تا حد امکان اُن قواے دماغی کی اعلی تکمیل کرے جو فطرت نے اُسے

ودیعت کیے ہین تاکہ جہان تک ممکن ہو وہ کمال انسانیت تک پہنچ سکے۔

اب مین یہ پوچھتا ہون کہ مردون کو کیا حق ہے کہ وہ لڑکیون کو اس مقدس اور شریفانہ فرض کے بجالانے سے روکین ؟ برخلاف اسکے ہم کیون اس فرض کے بجالانے کو اُن کے لیے ناممکن نہین تو مشکل کردیتے ہین ؟ کیا یہ ایسا ہی نہین کہ گویا ہم ایک خوبصورت درخت کے اوپر کے حصے کو کاٹ ڈالتے ہیں کہ وہ سورج کے روشنی تک نہ پہنچ سکے ؟ کیا ہم بنی نوع انسان کے ایک بڑے حصے کو روحانی غلامی کی زنجیرون مین نہین جکڑ رہے ہین ؟ کیا ہم دانستہ عورتون کو شریف ترین واعلی ترین نیکی یعنی روحانی آزادی سے محروم نہین کر رہے ہین ؟ ... اب ہمین چاہیئے کہ صدہا سال کا قرض جو ہمارے ذمہ ہے اُسے ادا کرنا شروع کرین اور عورتون کے جسمانی حسن وجمال پر شایستہ ذہانت کا حسن اضافہ کرین ۔ ہمین چاہیے کہ اُن کی آنکھون سے پٹی ہٹا کر اُنہین سرچشمۂ علم تک لے جائین تاکہ وہ بھی ازمنہ ماضی وحال کی عقل وحکمت مین حصہ لے سکین ، لغو اور فضول باتون اور بیہودہ بکواس سے احتراز کرین اور اعلی ترین اور شریف ترین انسانی مسرت یعنی دماغی کامیابی کا لطف اُٹھا سکین "

——— ۱۰۱ ———

کتب خانے

حضرات! اب تک مینے تعلیم کے مختلف شعبون پر بحث کی ہے۔ لیکن ہمین یاد رکھنا چاہیئے کہ تکمیل دماغ بلکہ تکمیل انسانیت کے لیے صرف مدارس کافی نہین ہین۔ ہمین اُن کے ساتھ اور چیزون کی بھی ضرورت ہے اور منجملہ اُن کے ایک کتب خانے ہین۔ مین اسے اشاعت تعلیم اور دماغی ترقی کے لیے نہایت ضروری سمجھتا ہون اور خصوصًا نوجوانون کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ ترقی نہین ہے۔ آپکو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ اردو اور انگریزی کی عمدہ ادبی کتب خانے کے لیے کسی زیادہ رقم کی ضرورت نہین ہے۔ بلکہ میری یہ راے ہے کہ ہر ابتدائی مدرسہ نہ صرف بچون کے لیے ابتدائی تعلیم کا ذریعہ ہو بلکہ اُن بچون اور اُن کے والدین کے لئے بھی تحصیل ذوق کا وسیلہ ہونا چاہیئے۔ ایک معمولی اور آسان طریقہ ان کتب خانون کی امداد کا یہ ہوسکتا ہے کہ بہت سے اخبار اور رسالہ جو ہم امداداً خریدتے ہین اور جن کے پڑہنے کی لیے ہمین بہت کم وقت ملتا ہے ہم ان کتب خانون کو دیدیا کرین تاکہ غریب طالب علم اور کم استطاعت لوگ ان سے مستفید ہوسکین۔

کتب خانون کے فوائد ایسے نہین کہ اعداد و شمار سے بتاے جاسکین

لیکن وہ اس قدر ظاہر ہین کہ اُن پر کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہین۔ ہمین اپنی زندگی مین اکثر ایسے صاحبون سے ملنے کا اتفاق ہوا ہوگا کہ جن کی تعلیم محض ابتدائی یا کم درجہ کی ہوئی ہے مگر صرف کتب خانون کی بدولت اور مطالعہ کے ذوق سے اُن کا علم وفضل اس پایہ کا ہے کہ وہ اُن لوگون سے بدرجہا افضل ہو گئے ہین جو ڈگریان تو اعلے امتحانات کی رکھتے ہین مگر مطالعہ کا شوق نہین رکھتے۔ ان مین سے بعض ایسے بھی گزرے ہین جنھون نے دنیا مین بڑا نام پیدا کیا ہے اور بنی نوع انسان کے محسن ہوے ہین۔ ہمارا فرض ہے کہ مدرسون کی تعلیم کے ساتھ ہم طالب علمون مین ان کتب خانون کے ذریعہ سے ذوق مطالعہ بھی پیدا کرین۔ کیونکہ بغیر اسکے کوئی امتحان اور کوئی ڈگری قابل وقعت نہین ہو سکتی۔

اُردو ٹائپ

اب مین آپ صاحبون کی توجہ ایک اور چیز کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہون جو اگرچہ ہمارے لیے نئی تو نہین ہے مگر ہم نے کبھی خاص طور سے اسپر غور نہین کیا ہے۔ مین جہان سر سید احمد خان مرحوم کے اور احسانات کا اعتراف کرتا ہون وہان مین اُن کی اُس حیرت انگیز دوراندیشی اور عاقبت بینی کا بھی قایل ہون جو اُنھون نے اردو ٹائپ کے بارے مین ظاہر کی۔ سر سید مرحوم نے ابتدا سے

اردو ٹایپ کی حمایت کی علی گڑھ انسٹٹوٹ سوسائٹی کے قیام کے ساتھ اردو ٹایپ
کا مطبع بھی قایم کیا اور اُن کا مشہور اخبار علی گڑھ انسٹٹوٹ گزٹ جواب تک جاری ہے
اور اُن کا قابل قدر رسالہ "تہذیب الاخلاق" جس کا مسلمانون کے اخلاق و
اصلاح پر بے انتہا عمدہ اثر پڑا اور اُن کی تصانیف سب اردو ٹایپ مین چھپتی تھین
اگرچہ ہم نے اسوقت اس کی قدر نہین کی بلکہ ایک حد تک مخالفت کی لیکن
اب ہمین اس کی قدر معلوم ہو رہی ہے - زمانہ بدل گیا ہے اور بدلتا جاتا ہے -
علم کی عام اشاعت کی ضرورت روز بروز بڑہتی جاتی ہے اور اب سوائے اسکے
کوئی چارہ نہین کہ ہم اُن طریقون کو اختیار کرین جو اس اعلیٰ مقصد مین سہولت
پیدا کر سکتے ہین - دنیا کے دوسرے ممالک کا ذکر چھوڑئے خود ہندوستان کی
اکثر زبانون نے ٹائپ اختیار کر لیا ہے - لیتھو نے ہمارے علوم کی اشاعت مین
جو کام کیا ہے مین اسکا احسانمندی کے ساتھ اعتراف کرتا ہون لیکن اب شدید
ضرورت ہے کہ ہم ایک قدم اور آگے بڑہین اور اپنی رفتار کو تیز کرین - بڑی وجہ
اس امر کی کہ ہم کیون ہندوستان کی دوسری زبانون سے پیچھے رہ گئے یہ معلوم
ہوتی ہے کہ ہمین نستعلیق خط بہت عزیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی خط
حسن و خوبی مین اس کا مقابلہ نہین کر سکتا اور یہ ہمارے بزرگون کے صنعتی ذوق

اور محنت کی ایک ایسی یادگار رہے جس پر ہمین ہمیشہ فخر رہے گا
مگر مشکل یہ ہے کہ موجودہ ٹائپ اس کا متحمل نہین۔ ٹائپ کی بھدی مشین
اس کے حسن اور نازک جوڑون کو قائم نہین رکھہ سکتی۔ اس لئے
ہم مجبور ہین کہ نسخ کا ٹائپ اختیار کرین لیکن زمانہ حال مین ایسے ٹائپ
ایجاد ہوئے ہین جو نہایت خوبصورت ہین اور نستعلیق سے قریب
ہین اور مین آپ کو یہ خوش خبری سناتا ہون کہ اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ
نے جن کے احسانات ملک کے اکثر علمی کامون اور تعلیمی درسگاہون پر
بے انتہا ہین، ایک ایسے ہی عمدہ اردو ٹائپ کی ریاست مین رائج
کرنے کی منظوری عطا فرمائی ہے۔ اگر ریاست حیدرآباد دکن سے باہر
بھی لوگون نے اس کے رواج دینے کی کوشش کی تو یہ سارے
ملک کے لئے باعث برکت ہوگا مجھے اس بات کے جتانے کی
ضرورت نہین کہ لیتھو کی وجہ سے کیسی کیسی مشکلات پیش آتی ہین۔ یہ
بات اظہر من الشمس ہے کہ باوجود ہزار کوشش کے اردو کتاب صحیح
نہین چھپ سکتی۔ اور اس سے مصنف کو جو دلی صدمہ ہوتا ہے اسکی
کیفیت کوئی اس کے دل سے پوچھے۔ علاوہ اس کے بین السطور

کا بہد اپنی حاشیہ کی عدم یکسانی تصحیح کی مشکلات اور خصوصاً اردو روزانہ اخبارات کی دقتیں سب یک لخت دور ہو جائین گی اور کتابین زیادہ صیحح اور مقبول صورت مین چہپنے لگین گی اس کے سوا خوبصورت نسخ ٹائپ کے پڑہنے مین نظر پر بہی زیادہ بار نہین پڑے گا۔ اور چونکہ ہمارے ہان بچون کو شروع ہی سے قرآن شریف پڑہایا جاتا ہے اس لئے انہین ایسے خط کے پڑہنے مین ابتدائی سے زیادہ سہولت ہوگی اس سے کوئی یہ نہ سمجہے کہ مین نستعلیق کو مٹانا چاہتا ہون مین اس کے حسن و خوبی کی دل سے قدر کرتا ہون۔ اردو ٹائپ کے رائج ہونے پربہی وہ بدستور قایم رہے گا۔ جس طرح دنیا مین ہر جگہہ طبع اور ویسے لکہنے کے دو دو خط ہین اس طرح یہان بہی دو رہین گے۔ ٹائپ کی ضرورت طبع کی سہولت کے لئے ہے جو ناگزیر ہے۔ مین مسلمانان جنوبی ہند کو یہ مشورہ دیتا ہون کہ اگر وہ اردو زبان کے ذریعہ سے علم کی عام اشاعت کے حامی ہین۔ اور چاہتے ہین کہ ملک مین صیحح سستی اور خوبصورت کتابون کی اشاعت ہو تو وہ ضرور اس کے رواج دینے مین کوشش کرین۔

مسئلہ زبان

حضرات! قبل اس کے کہ مین اپنی ملکی زبانون کے متعلق گفتگو کرون مین ایک ضروری امر کا ذکر کرنا چاہتا ہون جس پر مینے مدتون غور کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی اس پر غور فرمائین گے بلکہ عمل مین لانے کی کوشش کرین گے. ہم مین سے کون ہے جسے عربی زبان سے محبت نہین صرف اس لئے نہین کہ وہ ہمارے مقدس زبان ہے (اور بیشک یہ بڑی اور قوی وجہ ہے) بلکہ اس لئے بھی کہ تہذیب ذوق اسلامی روایات اور تاریخی تعلقات اس سے وابستہ ہین۔ اور دنیا کی نہایت فصیح وسیع اور کامل زبانون مین سے ہے ہین ان تمام وجوہ کی بنا پر ہر تعلیم یافتہ مسلمان کے لئے اس کی تحصیل لازمی خیال کرتا ہون۔ لیکن عام طور پر یہ زبان مشکل سمجھی جاتی ہے اور اس لئے اکثر نوجوان اس مشکل مین پڑنے سے بچتے ہین۔ علاوہ دوسری سہولتون کے جو اس کی تحصیل کے لئے پیدا کی جاسکتی ہین میرا یہ خیال ہے کہ اگر ہم ابتدائی جماعتون سے لیکر کالج کے درجون تک روزانہ صرف آدھ گھنٹہ ہر اسلامی مدرسہ مین عربی کی تحصیل مین صرف

کرین تو مجھے یقین ہے کہ اگر طالب علم کو اس پر کافی قدرت حاصل نہ بھی
ہوی تو اسمین شک نہین کہ اسے اس زبان سے ایک خاص مناسبت
پیدا ہو جائے گی اور اس کے سمجھنے اور پڑھنے مین زیادہ وقت باقی
نرہے گی۔ کم سے کم گروہ ادھ گھنٹے مین چند عربی جملے ہی حفظ کر لے گا تو
اسے ایک مدت کے بعد خاص لگاؤ پیدا ہو جائے گا اس تدبیر کا عمل مین
لانا کچھ مشکل کام نہین ہے۔ اگرچہ یہ وقت بہت کم ہے لیکن اگر تمام مدت
تعلیم پر حساب پھیلا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسطرح قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا
ہے اور غور کرنے کے بعد ہم سمجھین گے کہ اس کی منفعت کس قدر عظیم اور
نتیجہ خیز ہو گی۔ البتہ طریقہ تعلیم کی اصلاح نہایت ضروری اور جدید طرز کی کتابین

مین اب زبان کے دوسرے مسئلہ پر آتا ہون۔ انگریزی حکومت
سے قبل یہان اسلامی حکومت تھی اس زمانے مین علاوہ عربی کی فارسی
زبان کی تحصیل کا مسلمانان مدراس کو خاص شوق تھا ان کی تمام خط وکتابت
اور تعلیم فارسی مین ہوتی تھی۔ جنوبی ہند مین مدراسی مسلمان فارسی زبان
کے جاننے مین خاص طور پر مشہور تھے اور کچھ عرصہ قبل تک ان کا شوق
جاری رہا اور غالباً اب بھی ان مین اکثر فارسی دان موجود ہون گے۔

انگریزی سلطنت سے جہان اور تغیرات ظہور مین آئے ایک بڑا تغیر
یہ بہی ہوا کہ فارسی کی جگہ اردو نے لی اور وہ اوسکی صحیح جانشین ثابت
ہوئی۔ اہل مدراس نے ابتدا سے اس زبان کے سیکھنے اور رواج دینے
مین کوشش کی۔ اردو زبان کی وہ ابتدائی صورت جو "دکنی" کے نام سے
مشہور تہی اس مین ان کی تصانیف و تالیفات کثرت سے موجود ہین مین
خوش ہون کہ مسلمانان مدارس کو اس زبان کا بہت بڑا خیال ہے اور وہ
اسے اپنی قومی زبان خیال کرتے ہین اور حقیقت یہ ہے کہ انکے لئے
یہ کوئی جدید زبان نہین بلکہ ابتدا سے وہ اس کے حامی اور شایق ہین۔
یہ بہی کچہہ کم خوشی کی بات نہین کہ ملک کے دوسرے صوبون کے مسلمان
بہی جہان انکی مادری زبان اردو نہین اس زبان کی تحصیل مین کوشش کرتے
ہین اور سرکاری تعلیمی رپوٹون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہہ مدراس
بمبئی۔ برہما۔ بنگال مین اس بات پر خاص زور دیتے ہین کہ سرکاری مدارس
مین اردو کی تعلیم جاری کی جائے۔ چنانچہ ان صوبون مین یا تو اردو مدرسے
جاری کردئے گئے ہین یا جاری ہونے والے ہین۔ اور سرکاری مدارس
مین مسلمان طلبہ کی کمی کی ایک وجہ یہ بہی بتائی جاتی ہے کہ ان مدارس

ہین سے اکثر مین اردو تعلیم کا انتظام نہین۔ میری مسرت اور بہی بڑہ جاتی ہے جب مین یہ دیکھتا ہون کہ مسلمانان ہند نے ایک ایسی زبان کو اپنی قومی زبان بنایا ہے جو خالص آریائی زبان ہے اور جو اس عظیم الشان ملک کے ہر حصے مین بولی یا سمجھی جاتی ہے اور اس لئے یہ صرف مسلمانون ہی کی زبان نہین بلکہ ملک کی عام زبان ہے اور ہندو مسلمانون کے باہمی اتحاد کا ایک قومی ذریعہ ہے اور اس لئے اس کی تحصیل و ترقی مین کوشش کرنا نہ صرف بحیثیت مسلمان کے بلکہ بحیثیت اہل ہند ہونے کے ہمارا بہت بڑا اعلی فرض ہے کیا یہ عجیب بات نہین کہ ہم وینم باڑی مین بیٹھے ہوے اپنی کانفرنس کی کارروائی اردو مین کر رہے ہین اور کیا اہل مدراس کا شوق اس سے ظاہر نہین ہوتا کہ انہون نے مجھسے خاص طور پر یہ خواہش کی کہ مین اپنا ایڈرس اردو مین پڑہون اور مین اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہون کہ اس وقت مین ان کی خواہش کے مطابق انکے ارشاد کی تعمیل کر رہا ہون۔

لیکن حضرات اس کے ساتھ ہی مین آپکو تاکید یہ یاد دلانا چاہتا ہون کہ آپ اس جوش اور شوق مین اپنی مقامی زبانون کو نہ بہلا دیجئے۔ مین نہایت خوش ہون کہ وینم باڑی ہائی اسکول مین ان کی تعلیم لازمی قرار دی گئی

ہے۔ مین اس سے بڑھ کر کوئی آفت نہین سمجھتا کہ مسلمان کسی ایسی ثقافتی بان
کو ترک کردین جسمین ان کی اور انکے ہمسایہ قوم کی زندگی بسر ہوی ہے اور جن سے
انہین کاروبار اور معاشرتی معاملات مین تقریباً ہر روز ملنا جلنا پڑتا ہے۔
اور جنکے ساتھہ رہنا سہنا اور بسنا ہے مین اس بات کو ہرگز پسند نہین کرتا اور
کسی طرح جایز نہین رکھہ سکتا کہ کسی ملکی زبان کا تعلق مذہب سے منسوب
کیا جائے۔ اس بدنصیب ملک کی مختلف اقوام مین نفاق و عداوت کے
اور اسباب کیا کم ہین جو ایک نیا شاخسانہ کھڑا کیا جاے اور اس بھڑکتی
ہوی آگ مین تیل ڈالا جائے۔ تہوڑی دیر کے لئے فرض کیجئے کہ مسلمان تامل
یا تلنگی کا شاعر ہے اور اس کے گیت جنوبی ہند مین ایسے ہی مشہور اور
ہر دل عزیز ہون جیسے سر رابندر ناتہہ ٹیگور کے گیت بنگال مین تو آپ
خیال فرما سکتے ہین کہ اس کا کسقدر عجیب و غریب اثر ہندوؤن کے دلون پر
ہوگا اور انکی ہمدردی کسقدر مسلمانون کے ساتھہ بڑھ جائے گی۔
ہمارے دلون مین جو انگریزون کی وقعت ہے اور ان سے ایک قسم
کی ہمدردی ہے اس کا منجملہ اور اسباب کے ایک سبب انکا حیرت انگیز علم ادب ہے۔
شیکسپیر، بیکن، برک یا براوننگ کے پڑھنے سے جو خیالات ہمارے

دل مین موج زن ہوتے ہین ان کی وجہ سے خود بخود وہم انگریزی قوم کے
مداح ہو جاتے ہین میںنے جو عربی اور مقامی زبان کی تحصیل پر زور دیا
ہے تو اس سے میرا یہ مقصد ہے کہ مسلمان اپنے مذہب پر ثابت قدم
رہین اپنے ملک سے محبت کرین اور ان دونون کی عظمت پر فخر و ناز
کرین اور اپنے ہم مذہبون اور دیگر اہل مذاہب سے اعتماد و ہمدردی کا برتاو رکھین

مشرقی مغربی معاشرت

مین چاہتا ہون کہ آپ مغرب کے تمام مادی فوائد کو حاصل کرین
لیکن اسکے ساتھہ مین یہ بھی چاہتا ہون کہ آپ اپنے مذہب اپنے لباس
اور اپنی صنعت کو قایم رکھین۔ مین مسٹر ایل ہرن کی پر لطف کتاب
اوٹ آف دی ایسٹ مین سے چند جملے سناتا ہون جو اس نے اس کے متعلق لکھے
ہین۔ وہ لکھتا ہے کہ ”جو کچھہ اس نے (جاپان نے) کیا ہے۔ اور
کر رہا ہے اس کے لکھنے کے لیے کئی دفتر چاہئین مگر اس قدر کہنا کافی ہے کہ
اوس نے ہماری صنعت و دستکاری ہمارے عملی سائینس۔ ہماری اقتصادی
مالی اور قانونی تجربات مین سے بہترین حصہ انتخاب اور اختیار کیا ہے
اور ہر صورت مین اعلیٰ نتایج حاصل کئے ہین اور ہمیشہ ہمارے مستعار
حصہ کو اپنی ضروریات کے مطابق نئی صورت مین ڈھال لیا ہے۔ لیکن

اس نے ہمارا مغربی لباس مغرب کی معاشرتی عادتیں مغربی فن تعمیر یا مغربی مذہب اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے داخل ہونے سے اسکی قوت بجائے بڑھنے کے ضعیف ہوجاتی" لباس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ "غیر ملکی لباس جاپانی عہدہ داروں نے اختیار کیا ہے لیکن وہ اسے صرف دفتر کے اوقات میں مغربی طرز کی عمارتوں میں پہنتے ہیں جہاں جدید زمانے کی میزیں کرسیاں موجود ہیں۔ ایک بار ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ جاپانی نے میرے ایک دوست سے کہا کہ "ہم نے مغربی لباس صرف عارضی طور پر اختیار کیا ہے جیسے بعض جانور اپنی حفاظت کی غرض سے بعض موسموں میں خاص رنگ اختیار کر لیتے ہیں،" میں خاص طور پر اپنے لباس اور عادات پر ثابت قدم رہنے کے لئے اس لئے زور دیتا ہوں کہ اسمیں زیادہ کفایت شعاری ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ اپنے لباس اور عادات پر قایم رہنے سے ہم درحقیقت اپنی سوسائٹی کے لئے زیادہ مفید ہو سکتے ہیں اور بیجا اسراف سے بچ کر اپنی قوت اپنا وقت اور روپیہ کو اچھے کاموں میں لگا سکتے ہیں۔ میں اس موقع پر یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ اس طریقہ سے نہ صرف ہم اسراف سے بچتے ہیں۔ بلکہ

ہمارے اخلاق بھی برے اثرات سے محفوظ رہتے ہین۔ جو لوگ محض
نقالی کے طور پر دوسرون کی معاشرت اختیار کر لیتے ہین۔ ان کے
اخلاق و اطوار پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے
کہ انہین اپنی قوم و ملک سے ایک اجنبیت سی پیدا ہو جاتی ہے۔

مجالس امداد باہمی

اس ضمن مین مین اس بڑی تحریک کا ذکر کرنا چاہتا ہون جسکی
ضرورت کو اگرچہ اس سے بہت قبل میرے صوبہ کے افسر سر ڈیوڈ
وڈربرن نے اپنے پمفلٹ موسومہ "ولیج بینکس فار دی دکن" مین
ظاہر کیا تھا لیکن اس تجویز کو عمل مین لانے کی تعریف کے مستحق درحقیقت
آپ کے صوبہ کے افسر سر فریڈرک نکلسن ہین جنکی قابل قدر اور مستند
رپوٹ اب ہمین ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہے۔ یہ تحریک مجلس ہائے
امداد باہمی کی ہے۔ یہ تجویز اگر کامیابی کے ساتھ اور عام طور سے
تمام ملک مین رائج ہو گئی تو ہندوستان کے لئے بہت بڑی موجب
برکت ہو گی جس طرح مسلمانون کی تعلیم کے لئے آپ کو دائم یاری مین
ہین مین چاہتا ہون کہ اسیطرح جنوبی ہند کے مسلمانون مین
ایک دوسرے فرشتے پیدا ہو جائین جو اس نہایت مفید تحریک کے

رائج کرنیکا بیڑا اٹہالیں آپ میں سے جن صاحبوں نے پولیٹکل اکانمی کا مطالعہ فرمایا ہے تو مجھے یقین ہے کہ جسطرح تیس سال قبل راش ڈیل پاینرز اور ریفن سائن کی کیفیت پڑہکر میرے دل میں ایک عجیب ولولہ پیدا ہوا تہا وہی حالت آپکی ہوئی ہوگی کیا یہ حیرت انگیز نہیں ہے کہ ایک سوسائٹی جسکا ابتدائی سرمایہ بہت ہی خفیف ہو وہ ایک ایسا عظیم الشان کام کر دکہائے کہ اسکے کارخانے بہی ہوں کتب خانے بہی ہوں اور مٹنے اور جمع ہونے کے ہال بہی ہوں یہ پڑہ پڑہ کر ہمارے دلوں میں کسقدر جوش پیدا ہوتا تہا کہ کاش کوئی ایسی ہی تحریک ہندوستان کی غریب اور بے شمار رعایا کو قرض کی مصیبت سے نجات دینے کیلئے جاری ہو خدا کا شکر ہے کہ ہماری وہ تمنا اب پوری ہو چلی ہے ریاست حیدرآباد نے حال ہی میں پنجاب گورنمنٹ سے ایک ایسے عہدہ دار کی خدمات مستعار لی ہیں جنہوں نے اس تحریک کو وہاں بہت کامیابی سے چلایا ہے۔ اور جب مینے ان سے یہ دریافت کیا کہ وہ پنجاب کی کوئی ایسی مثال بتا سکتے ہیں جیسی کہ راش ڈیل پاینرز کی تو انہوں نے مجھے ایک ایسی ہی حیرت انگیز مثال بتائی جسے میں آپ کو سنائے بغیر نہیں رہ سکتا مختصر یہ

ایک گاؤن مین جسکی آبادی ۵۰۰ کی ہے اور جسمین صرف مسلمان آزاد مین آباد ہین ایک مجلس قایم کی گئی اُن کی ساکہہ ایسی کم ہو گئی تہی کہ کوئی ساہوکار اُنہین قرض نہین دیتا تہا اور وہ اس قدر مفلس تہے کہ قیام مجلس کے وقت گیارہ روپیہ سے زیادہ جمع نکر سکے لیکن آپ کو سنکر بیحد حیرت ہوگی کہ وہی مجلس جو ۱۹۰۶ء مین گیارہ روپیہ کے سرمایہ سے کہولی گئی تہی ۱۹۰۹ء مین اسکا سرمایہ ۱۴۰۰۰ اور ۱۹۱۳ء مین تین لاکہہ ہو گیا۔ کیا یہ ایک زندہ مثال ایسی نہین ہے کہ جسکی تقلید کیجاے؟ مین مسلمانان جنوبی ہند سے اس تمام قوت کے ساتھ جو میرے امکان مین ہی درخواست کرتا ہون کہ اُنہین ایسے تجارتی مرکز مین جیسا کہ وینم باڑی ہے ضرور اس تحریک کو فروغ دینا چاہئے۔ اس مسلہ کے ذکر کرنے اور زور دینے سے میرا منشا یہ ہے کہ مجالس امداد باہمی کے قیام سے لوگون مین تعلیم کا شوق پیدا ہوگا اور تعلیم سے ان مجالس کو مدد ملے گی ابتدائی تعلیم اور یہ مجالس ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم اور ایک دوسرے کی علت ومعلول ہین۔

تجارت وحرفت وصنعت

ہین یہ کہہ چکا ہون کہ مینے مجالس امداد باہمی کا خاص طور پر اس لئے یہان ذکر کیا ہے کہ وانیم واڈی ایک تجارتی مرکز ہے اور اگرچہ وانیم واڈی اسلامیہ ہائی اسکول نے اپنے نصاب تعلیم ہین کسی قدر اسکا لحاظ رکہا ہے۔ لیکن جب تک یہان کے ہمدرد تجار اس مدرسہ کے طالب علمون کو عملی طور پر مدد نہ دینگے محض کتابی تعلیم کام نہین آسکتی۔ مجہے یہان کے دور اندیش اور عالی ظرف تاجرون سے پوری توقع ہے کہ جسطرح انہون نے اپنی فیاضی سے ایک اعلیٰ درجہ کا کامیاب ہائی اسکول قایم کردیا ہے اور اور جو یقین ہے کہ بہت جلد ان کی دریا دلی اور ہمت کی بدولت کالج کے درجہ کو پہنچ جاے گا وہ اپنے گردوپیش کے حالات کے لحاظ سے اپنی ملکی حرفت وصنعت و تجارت کو بہی فروغ دینے ہین سعی فرمائینگے اور اس کے لئے یہان کے طالب علم سب سے بہتر ذریعہ ہین۔ علمی ترقی کے ساتہہ جب تک ہم مادی ترقی کا پورا خیال نہ رکہین گے ہم صحیح معنون مین کبہی کامیاب قوم نہین ہوسکتے۔ اگر اس اسکول کی قابل قدر کوششون کے ساتہہ یہان کے ہمدرد و تجربہ کار تاجرون کی عملی سعی بہی شامل حال رہی تو یہ ایک ایسا شاندار

کام ہوگا کہ تمام ہندوستان مین وانیم واڑی کا نام عزت و فخر کے ساتھہ لیا جائے گا۔ امید ہے کہ منتظمین اسکول اور تاجران شہر مل کر اس تجویز کو عمل مین لانے کیلئے ضرور کوئی صورت نکالین گے کیونکہ یہ اندیشہ عام طور پر بڑہتا جاتا ہے کہ تعلیمی ترقی کے ساتھہ ساتھہ ملک کی تجارت اور حرفت و صنعت پیچھے ہٹتی جاتی ہے اور ملک کے تعلیم یافتہ سرکاری ملازمتون کی تلاش مین سرگردان ہین۔ اگر حالت یہی رہی تو سمجھہ لیجئے کہ اس سے بڑہکر ملک کی اور کوئی بدقسمتی نہین ہوسکتی۔

مین اس موقع پر اس سے زیادہ کچھہ نہین کہنا چاہتا۔ کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ جسکا تعلق تمام ہندوستان اور ہندوستان کی تمام اقوام سے یکسان ہے۔ حال ہی مین ایک کمیشن ملک کی صنعت و حرفت وغیرہ کی تحقیقات کے لئے قایم ہوا ہے جو اس مسئلہ کے تمام پہلوؤن پر غور کرے گا اور امید کی جاتی ہے کہ اس کے نتائج ملک کے حق مین مفید نکلین گے۔

حضرات! ہندوستان مین ہم مسلمانون کی حالت بہت نازک ہے۔ ایک طرف ہمارا تعلق حکومت سے ہے اور دوسرے طرف ہمسایہ اقوام سے۔

دنیا مین کوئی حکومت کامل اور بے عیب نہین ہوتی جہان ہم اسکے فروگزاشتون پر نظر ڈالتے ہین وہان ہمین اس کے انصاف و امن جدید تعلیم و جدید خیالات کی اشاعت کا بھی ممنون ہونا چاہئے ہمین اسکی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب ہم اپنے تئین اہل حکومت کی جگہ پر فرض کر کے غور کرین اور دیکھین کہ اگر حکومت ہمارے ہاتھہ مین ہوتی تو باوجود ان تمام مشکلات اور اختلافات کے جو قدم قدم پر حکومت کی سد راہ ہین۔ ہم اس سے بہتر کارہائے نمایان کر سکتے تھے جو برٹش گورنمنٹ نے ہندوستان مین انجام دئے ہین۔ کیا یہ حیرت انگیز اور عجیب غریب بات نہین کہ مٹھی بھر آدمی ایک دوسرے دنیا سے آکر ایک ایسے ملک مین حکمران ہین جسمین مذاہب کا اختلاف زبانون کا اختلاف موسمون کا اختلاف تمدن کا اختلاف اور ایسے ہی بے شمار اختلافات ہین ان مشکلات و اختلافات کی کم کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ گورنمنٹ ہم پر اور

ہم گورنمنٹ پر اعتبار کرین ایک دوسرے کے معاون اور یار و مددگار رہین. کیونکہ اعتبار سے اعتبار اور بے اعتباری سے بے اعتباری پیدا ہوتی ہے. مسلمانون نے گذشتہ زمانہ مین اور اس سے بڑھکر حال کے زمانہ مین اپنی دوستی اور وفاداری کا پورا حق ادا کیا ہے اور باوجود ان غیر متوقع تعزرات کے جن کی صراحت کی یہان ضرورت نہین مسلمانان ہند کی حالت بہت نازک ہو گئی تہی مگر وہ مطلق نہین ڈگمگائے اور اپنی دوستی اور وفاداری مین ثابت قدم رہے ہمین یقین رکہنا چاہیے کہ اس اعتبار اور وفاداری کی داد ہمین ضرور ملے گی اور جنگ کے بعد اہل ہند کو ضرور ایسے حقوق عطا ہون گے جو ہماری تعلیم و ترقی اور فراغت و مرفہ الحالی کا موجب ہونگے۔

لیکن حکومت کی کامیابی اور ملک کی خوش نصیبی اس مین ہے کہ ہم اور ہمارے ہندو بہائی آپس مین خلوص و محبت سے رہین اور ان چہوٹی چہوٹی اور بے حقیقت باتون پر لڑنا جہگڑنا چہوڑ دین جو ہم دونون کے لئے باعث ننگ ہین کیا یہ ممکن ہے کہ ہم جو ایک خاک سے پیدا ہوے ایک آب و ہوا مین پلے اور ایک مادر ہند کے فرزند ہین۔

آپسمین لڑین جھگڑین حسد و نفاق رکھین اور پھر زندہ و خوشحال رہسکین؟
ہماری ترقی، ہماری خوشحالی نہین بلکہ ہماری زندگی اور اس ملک کی نجات
ہمارے اتفاق و اتحاد مین ہے لیکن یہ امر ہم سب کی مسرت کا باعث ہے
کہ صوبہ مدراس ان تنگ خیالیون اور ان حاسدانہ رقابتون سے پاک ہے
ہندو مسلمانون کے تعلقات یہان زیادہ دوستانہ اور مخلصانہ ہین اور یہ ہم سب
کے لئے بہت مبارک فال ہے اور عجب نہین کہ اسی اتحاد کا یہ نتیجہ ہے کہ
مسلمانونکی تعلیمی حالت بہ نسبت دوسرون صوبون کے یہان زیادہ بہتر ہے۔

مگر حضرات ان مقاصد کا حصول صرف ایک چیز پر منحصر ہے۔ وہ
تعلیم اور صحیح طریقۂ تعلیم ہے۔ جہالت کے معنے اب صرف بے علمی ہی
کے نہین بلکہ اس مین بد اخلاقی رذالت افلاس اور بے حمیتی کے معنی بھی
پنہان ہین۔ آؤ ہم سب اس بات کا بیڑا اُٹھائین کہ جسطرح بنے ہم جہالت کا
زور توڑین، ملک کے گوشہ گوشہ مین علم و ایمان کا نور پھیلائین۔ اور
اس کمال انسانیت و ترقی تک پہنچ کے رہین۔ جس کی تمنا مادر ہند کے
ہر سچے فرزند مین موج زن ہے۔

۴۸۶/۹۲

خطبۂ افتتاحیہ

محمد اکبر نذر علی حیدری بی-اے

انڈین فینانس ڈپارٹمنٹ فیلو بمبئی و مدراس یونیورسٹی
و ہوم سکریٹری سرکار نظام خلد اللہ ملکہ

صدر نشین

اجلاس سی و یکم آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

منعقدہ ۲۷- دسمبر ۱۹۱۷ء

بمقام کلکتہ

مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم



حضرات ! مجھے کم و بیش ایک چوتھائی صدی سے اپنی بساط کے موافق تعلیمی معاملات سے خاص دلچسپی اور شوق رہا ہے اور اس مدت میں میں نے تعلیم کی مختلف تحریکات اور مدارج پر کچھ نہ کچھ غور کیا ہے۔ نیز اپنے فرائض منصبی کے لحاظ سے بھی میں ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست میں ترویج و ترقیٔ تعلیم پر مامور ہوں۔ مجھے اس عرصے میں مختلف حیثیتوں سے یہ ثابت ہو گیا ہے اور میرے دل پر اس کا گہرا نقش ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کی ترقی و فلاح کا دار و مدار صرف تعلیم پر ہے اور ملک کی سب سے بڑی خدمت جہالت کے مٹانے اور اشاعت و حمایتِ تعلیم میں ہے۔ اس لئے میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مسرت اور اس سے زیادہ کوئی فخر نہیں ہو سکتا کہ میں اس معزز کانفرنس کا (جو مسلمانانِ ہند کی سب سے بڑی تعلیمی جماعت ہے) صدر انتخاب کیا جاؤں۔ میں آپ کا دلی احسانمندی کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس عزت کے قابل سمجھا۔ میں اپنی زندگی کے اس دن کو ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ یاد کرونگا۔ لیکن جب میں اس کام کی اہمیت اور ذمہ داریوں

کو دیکھتا ہوں اور اُن قابل اور فاضل حضرات کی فہرست پر نظر ڈالتا ہوں جو اس سے قبل اس کرسئ صدارت کو زینت دے چکے ہیں تو اپنے آپ کو اس جگہ پر دیکھ کر اپنے دل میں محجوب ہوتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس سلسلۂ زرّین میں شاید سب سے کم زور کڑی مَیں ہی ہوں۔ مجھے اپنے ضعف کا اعتراف ہے۔ اور اگر میں اس خدمت کو کامل طور پر انجام نہ دے سکوں جو آپ نے میرے سپرد کی ہے اور مجھ سے وہ توقعات پوری نہ ہوں جو آپ نے خیال کر رکھی ہیں تو مجھے یقین ہے کہ تنگیِ وقت کا عذر آپ کی نظرِ کرم اور میرا دلی خلوص اس قصور کی تلافی کر دیں گے +

حضرات! یہ زمانہ نفسانی کارستانیوں کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاک کا پُتلا ہوا و ہوس کے جنون میں سارے عالم کو تہ و بالا کر دینے میں دریغ نہیں کریگا۔ اسی **نفسانیت** کی بدولت آج تمام دنیا میں سیاسی، اخلاقی اور اقتصادی تہلکہ مچا ہوا ہے۔ اور کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جہاں اس مصیبت کا رونا اور جہاں اس آفت کا ماتم نہیں ہے۔ اور باوجود تین سال گزرنے کے کوئی نہیں کہ سکتا کہ اس کا کیا نتیجہ ہو گا ؟ کوئی نہیں بتا سکتا کہ مشیتِ ایزدی کیا ہے ؟ اور اِس تاریکی کے پیچھے جو ہر طرف چھائی ہوئی ہے کیا پنہاں ہے ؟ لیکن ایک امید ہے کہ جس پر ہم قائم ہیں اور جو حاکم و محکوم اور راجا اور پرجا دونوں کے دلوں میں یکساں موج زن ہے۔ جس طرح طوفان کے بعد سکون اور تاریکی کے بعد روشنی کا ہونا یقینی ہے اسی طرح اس سیاسی اور

اقتصادی ہیجان کے بعد ایک اطمینان کا زمانہ آنے والا ہے جو انسانی ترقی کا جدید دور ہوگا اور جس کا سب سے ممتاز جز تعلیم کی نئی تحریک ہوگی +

یادِ رفتگان

قطع نظر اس عالمگیر مصیبت کے ہم جب اپنے ملک پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ سال ہمارے لئے کچھ کم مصیبت انگیز نہ تھا - افسوس کہ ہم میں سے چند ایسے بزرگ اٹھ گئے کہ جن کی رہنمائی، جن کا علم و فضل اور جن کی نیک نفسی ہمارے لئے باعث فخر اور موجب تسکین تھی - سب سے اول میں اس بزرگ قوم کا ذکر کرتا ہوں جو ہندوستان کا سچا فدائی تھا - اس کی زندگی پاک اور سادہ تھی اور تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ہی سے اس نے اپنی ساری زندگی ملک کی خدمت میں بسر کردی - میں اس چھوٹے قد کے گورے چٹے بزرگ کو جو اکثر سرخ ریشمی پائجامہ پہنے رہتا تھا لڑکپن سے جانتا تھا اور جب ہم مدرسہ جاتے اور وہ کہیں راستہ میں نظر آجاتا تو آپس میں کہتے تھے کہ "وہ دادا بھائی ماسٹر جا رہا ہے" - اس نے اپنی زندگی مدرّسی سے شروع کی اور یہی نہیں کہ اس نے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم میں کوشش کی یا وہ کالج میں پروفیسر تھا بلکہ وہ ہمارا حقیقی معلّم تھا اور آخر دم تک ہمارا معلّم رہا - اِس زمانہ میں حُبِّ وطن کا سبق

اُن نے ہمیں سکھایا ۔ اس کی ساری زندگی ابتدا سے آخر تک ابنائے
وطن کے لئے سبق آموز ہے ۔ ہندوستان اُس کا اوڑھنا بچھونا اور
اس کی ترقی اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا ۔ جدید
ہندوستان کے بنانے میں سب سے زیادہ اسی محترم بزرگ نے حصہ
لیا ۔ اور جب ہندوستان کے دورِ جدید کی تاریخ لکھی جائے گی تو
دادا بھائی نوروزجی کا نام سب سے اوّل آئے گا *

میں سچ کہتا ہوں کہ میرا دل بھر آتا ہے جب کبھی میں اپنے
دوست مولانا سید کرامت حسین مرحوم کا ذکرِ خیر کرتا ہوں ۔ ان کا
علم و فضل اور تبحّر ، اُن کی پاک صاف اور سادہ زندگی ، ان کا ایثار
اُن کی صداقت یہ ایسی خوبیاں ہیں کہ ہمیں اپنی قوم میں ڈھونڈے
نہیں ملتیں ۔ وہ اپنے خیال میں نہایت پختہ اور اپنی دُھن کے
پکّے تھے ۔ انھوں نے درویشانہ زندگی بسر کی اور اپنا تمام اثاثہ تعلیم
نسواں کے نذر کردیا جس کے وہ ہمیشہ سے بڑے حامی اور دل دادہ
تھے ۔ وہ اپنے علم و فضل ہی میں نہیں بلکہ اخلاقی خوبیوں میں
بھی جامع کمالات مشرق و مغرب تھے ۔ میں نے اُن کی صحبت سے
بہت کچھ فیض حاصل کیا اور میرے دل میں اُن کی اس قدر وقعت
ہے کہ میں اُنہیں کبھی نہیں بھول سکتا ۔ افسوس کہ اُن کی وفات
سے ہماری قوم میں ایک ایسی جگہ خالی ہوگئی ہے کہ اب اُس کا پر
ہونا دشوار نظر آتا ہے *

پرنسپل ورڈس ورتھ کے نام سے ہندوستان کے دُوسرے
صوبوں کے لوگ اس قدر واقف نہیں جس قدر اہل بمبئی اور وہاں

بھی اب نوجوان تعلیم یافتہ غالبًا پرنسپل موصوف کے حالات سے زیادہ تر واقف نہ ہوں گے۔ اس نے اپنے علم و فضل اور اپنے اعلیٰ خیالات کا یہاں کے تعلیم یافتہ طبقے پر اور اُن کے ذریعہ سے تمام مُلک پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ مسٹر **تلنگ** اور مسٹر **گوکھلے** جیسے نامور بزرگ یا وہ سرگرم نوجوان لوگ جو جمشید جی تاتا کمپنی کے دست و بازو اور دل و دماغ ہیں، اُسی کی تعلیم کے خوشہ چیں ہیں۔ پرنسپل **ورڈس ورتھ** نے اپنے فرائض بہ حیثیت ایک تعلیمی افسر کے محدود نہیں کر رکھے تھے بلکہ اس نے مُلک کی تمام اہم تحریکات میں اپنی قلم اور زبان سے ہمیشہ مدد دی۔ وہ درحقیقت ہندوستان کا ہمدرد اور ہماری ترقی کا خواہاں تھا۔ اس شخص کے ملنے سے انگریزی قوم کی وقعت دل میں پیدا ہوتی تھی۔ یہی وہ نیک باطن، ہمدرد اور روشن خیال انگریز ہیں جو انگریزوں کے لئے باعث فخر ہیں اور جنھوں نے انگریزوں اور ہندوستانیوں میں رشتۂ اتّحاد و مودّت کو مستحکم کیا اور ہمارے دلوں پر اپنی خوبیوں کا گہرا نقش چھوڑا۔ اگر سررشتۂ تعلیم میں ایسے ہی فاضل، مخلص اور ہمدرد انگریز آتے رہتے۔ اور نوجوان طلبہ کو ایسے شریف النفس انگریزوں سے سابقہ پڑتا رہتا تو شاید ہندوستان کی موجودہ نسل پر بدنامی کا وہ داغ نہ لگتا جس سے ہمیں شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور جس قدر جلد ممکن ہو ہمیں اُس کے مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پرنسپل **ورڈس ورتھ** کی وفات سے ہمارا ایک محسن دنیا سے اُٹھ گیا اور ہمیں اس پر حقیقی رنج و افسوس ہے ✤

تحقیق واقعات کی ضرورت

حضرات ! مسلمانانِ ہند کے تعلیمی مسائل پر بحث کرتے وقت سب سے بڑی مشکل میں نے یہ محسوس کی کہ اس بارے میں صحیح اور مکمل اعداد و شمار و واقعات ایسے موجود نہیں جن سے ضروری مدد مل سکے افسوس ہے کہ کانفرنس کی طرف سے مجھے ایسے تنگ وقت میں اطلاع ملی کہ میں یہ تمام اعداد و شمار فراہم نہ کر سکا۔ ورنہ میں اس بات کے دکھانے کی کوشش کرتا کہ اولاً مختلف صوبوں کے مسلمانوں نے تعلیم کے مختلف مدارج اور شعبوں میں کہاں تک ترقی کی ہے۔ دوم دوسرے اقوام کے مقابلے میں ان کی رفتارِ ترقی کیا رہی ہے؟ اور ان میں اور دوسرے اقوام میں جہالت نے جو تفاوت پیدا کر رکھا ہے وہ کم ہو رہا ہے یا زیادہ ؟ یا اُسی قدر ہے جو پہلے تھا ؟ کیا وہ فی الحقیقت میدانِ تعلیم میں دوسرے اقوام سے قریب ہوتے جاتے ہیں تاکہ اپنے عزیز وطن کے معاملات و مسائل کے طے کرنے میں برابری کے دعوے سے شریک ہو سکیں ؟ مجھے اس کے متعلق زیادہ زور دینے اور تاکید کرنے کی ضرورت نہیں کہ جب تک کانفرنس کی طرف سے وقتاً فوقتاً اس قسم کے صحیح اور مکمل اعداد و شمار اور واقعات شایع نہ ہوتے رہیں گے اُس وقت تک ہم صحیح طور سے یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ ہماری حالت کیا ہے اور کون سے ایسے مسائل ہیں جن پر ہمیں فوری توجہ کرنی چاہئے اور کونسی ایسی تجویزیں ہیں جو ہمارے

مرض کی دوا ہو سکتی ہیں اور کونسی ایسی تدبیریں ہیں جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہیں۔ کانفرنس کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم کے ہر شعبے، ہر پہلو اور تمام جزئی اور تفصیلی امور کے اعداد و شمار اور واقعات کمال احتیاط و صحت، صبر اور دقت نظر کے ساتھ مہیا کرتی رہے۔ بلکہ مناسب ہو گا کہ کچھ لوگ ایسے ہوں جو اسی کام پر لگا دئے جائیں اور ہر شخص خاص خاص مسئلے کو لے لے اور اپنا تمام وقت اُسی پر صرف کرے اور یہ تحقیقاتیں مُلک میں عام طور پر شایع ہوتی رہیں۔ کانفرنس کو اس فرض کے ادا کرنے میں اب کچھ عذر نہیں ہو سکتا جبکہ فخرِ رؤساء ہند اعلحضرت حضور نظام خلداللہ ملکہ کی شاہانہ امداد نے اسے مالی حالت کی طرف سے بے نیاز کردیا ہے ✥

مُسلمان اور اُردو

مختلف صوبوں کی تعلیمی اور مردم شماری کی رپورٹوں کے پڑھنے اور عام حالات و واقعات کے دیکھنے سے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی اشاعت اور مُسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں ایک خاص مناسبت ہے جن جن مقامات میں اُردو زیادہ رائج اور شایع ہے اُسی قدر وہاں کے مُسلمان زیادہ تعلیم یافتہ زیادہ شایستہ اور ترقی یافتہ نظر آتے ہیں اور قومی اور مُلکی معاملات میں زیادہ سرگرم اور مستعد معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح جس نسبت سے اردو مختلف مقامات میں داخل ہوتی جاتی ہے اُسی نسبت سے وہاں کے

مسلمانوں کا جمود ٹوٹتا جاتا اور اُن میں وسعت نظر اور احساس قومی پیدا ہوتا جاتا ہے - یہ واقعہ بہت قابل غور ہے اور چونکہ اس سے مسلمانوں کی تعلیم و ترقی وابستہ ہے اس لئے میں کسی طرح اسے نظر انداز نہیں کر سکتا اور نہ سرسری بحث پر اکتفا کر سکتا ہوں ؛

اگر ہم ہندوستان کے مختلف صوبوں پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اگرچہ اُردو زبان کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن مختلف مقامات پر اس کی حیثیت مختلف ہے - اول وہ مقامات ہیں جہاں کی مادری زبان اُردو ہے - وہاں کسی قسم کی دقت نہیں دُوسرے وہ مقامات جہاں مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے اور تحتانیہ مدارس میں اُن کی تعلیمی زبان اُردو ہے - مثلاً صوبۂ پنجاب جہاں مسلمانوں نے اس زبان کو اختیار کرلیا ہے اور مثل مادری زبان کے ہوگئی ہے اور سرکاری دفاتر میں بھی یہی زبان استعمال ہوتی ہے - یہاں بھی کوئی دشواری نہیں - لیکن اصل دشواری وہاں پیش آتی ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل ہے اور اُردو اُن مقامات میں عام زبان نہیں مثلاً بمبئی اور مدراس میں - ان مقامات میں بھی ایسے مسلمان موجود ہیں جن کی مادری زبان اُردو ہے اور خواہ وہ کیسی ہی غیر فصیح کیوں نہ ہو وہ کسی حالت میں اُسے ترک کرنا گوارا نہیں کر سکتے - چنانچہ مقامی طور پر اُردو کا نام یہاں **ہندوستانی** یا **مسلمانی** ہے اور اس سے اُس تعلّق کا پتہ لگتا ہے جو مسلمانوں کو اس زبان سے پیدا ہوگیا ہے - ایسے مقامات پر اُردو کا مسئلہ کسی قدر پیچیدہ ہو جاتا ہے -

جب ہم اُن مقامات پر نظر ڈالتے ہیں جہاں مسلمانوں کی وہی زبان ہے جو اُن کے ہندو بھائیوں کی تو یہ پیچیدگی اور بڑھ جاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ دشواری اور پیچیدگی وہاں پیش آتی ہے جہاں کی زبان دراودی ہے۔ مرہٹی، گجراتی زبانیں اردو سے اقرب ہیں کیونکہ آریائی ہونے کے لحاظ سے اُن کی اصل ایک ہے۔ لیکن دراودی زبانوں کو ترکیب و ساخت اور اصلیت کے لحاظ سے اُردو سے کوئی تعلق نہیں +

جب ہم ہندوستان کے مختلف صوبوں کی تعلیمی رپورٹوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم کرکے حیرت ہوتی ہے کہ خواہ ان مقامات کی اُردو زبان کے لحاظ سے کچھ ہی حیثیت ہو۔ لیکن مسلمان یکساں طور پر اس بات کے خواہشمند ہیں بلکہ ان کا اصرار ہے کہ ان کے بچوں کے لئے کسی نہ کسی شکل میں اُردو تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ اور اُن کا یہ اصرار بالکل بجا ہے۔ کیونکہ اس سرزمین مقدس کی دوسری اقوام کی طرح مسلمانوں کو بھی اپنا مذہب جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اور اسلامی تاریخ، اسلامی مذہب و اخلاق کا سرمایہ جس قدر اردو میں ہے ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں نہیں ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں کے بچے ہر جگہ ابتدا میں قرآن شریف پڑھتے ہیں اور اس کی اور اُردو کی تحریر اور اسلامی مذہب و اخلاق کی اکثر اور مستند کتابیں اُردو میں ہیں اس لئے مذہبی اور اُردو زبان کی تعلیم باہم اس طرح وابستہ ہوگئی ہیں کہ ان کا جدا کرنا ممکن نہیں اور اس لئے اُردو کی تعلیم کے مطالبہ کا پورا کرنا قوم اور گورنمنٹ کا دونوں کا فرض ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ میرا مطلب اس انتظام سے یہ نہیں ہے کہ ہر جگہ اردو ذریعۂ تعلیم قرار

دی جائے بلکہ اس کا فیصلہ مقامی حالات پر منحصر ہے ۔ خواہ اُردو کی تعلیم بہ حیثیت زبان اول کے ہو یا زبان دوم کے مگر مسلمان طلبہ کے لئے اس کا انتظام ہونا نہایت ضروری ہے ؛

صوبۂ برہما کی تعلیمی رپوٹ میں مفصلۂ ذیل الفاظ قابل غور ہیں اور یہ میرے اُن خیالات کی تائید کرتے ہیں جن پر میں اس وقت بحث کر رہا ہوں :-

"دونوں زبانوں (یعنے اردو اور برہمی) کی تعلیم دی جا سکتی ہے لیکن کونسی زبان اوّل ہو اس کا فیصلہ بالکل مقامی حالات پر منحصر ہے ۔ بعض مدارس نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے ۔ اپر برہما خصوصًا یا کسی اور یامے تھن اضلاع میں برمی مسلمان آباد ہیں جن میں سے اکثر سابق شاہان برہما کے ہندوستانی سپاہیوں کی اولاد میں سے ہیں ۔ ان کے بچے برہمی ورنکلر مدارس کا معمولی نصاب پڑھتے ہیں لیکن اُردو اس قدر ضرور سیکھتے ہیں جو اُن کی دینی ضروریات کے لئے کافی ہو ۔ یہ مدارس برہمی ڈپٹی انسپکٹروں کی نگرانی میں ہیں ۔ رنگون میں ہندوستانی مسلمان ہیں جو برہمی زبان بطور مادری زبان کے اور اُردو بطور دوسری زبان کے پڑھتے ہیں ۔ اسلامی مدارس اور اُردو مدارس میں برہمی مسلمانوں اور اردو بولنے والے مسلمانوں میں امتیاز نہ کرنے سے کچھ غلط فہمی واقع ہو گئی ہے ۔ کیرلن قوم کو کبھی دو زبانوں کا مسئلہ نا قابل حل محسوس نہ ہوا ۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمان اُن مشکلات کو رفع نہ کر سکیں جو اُن کی تعلیمی ترقی کی راہ میں حائل ہیں ۔ یہاں یہ اعتراض کیا جائے گا اور میں نے بعض صاحبوں کو یہ اعتراض کرتے سنا ہے کہ اگر مسلمان طلبہ کے لئے

اردو کی تعلیم لازمی قرار دی گئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ علاوہ مقامی زبان کے جس کا سیکھنا مقامی ضروریات و تعلقات کے لحاظ سے ضروری ہے مسلمان طالب علموں پر ایک اور زبان کے سیکھنے کا بار بڑھ جائیگا۔ بیشک یہ صحیح ہے اور یہ بار مسلمانوں کو اُٹھانا پڑیگا اور اس کے اٹھانے کے لئے وہ خوشی سے آمادہ ہیں۔ کیونکہ وہ اُردو کو قومی زبان سمجھتے ہیں اور تہذیب ذوق، اسلامی تمدن اور اتحادِ خیال و یک جہتی کے لئے اس کا سیکھنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ دنیا میں جو قومیں قلیل تعداد میں ہوتی ہیں انہیں بہت کچھ خسارہ اٹھانا پڑتا ہے اور تھوڑی بہت قربانی کرنی پڑتی ہے اگر ہمیں اپنی ہستی قائم رکھنا ہے تو ہمیں بھی اس خسارہ اور قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے اور اگر مقامی لحاظ سے جزئی نقصانات بھی ہوں تو انہیں برداشت کرنا چاہئے ورنہ مسلمانوں کی قلیل جماعتیں جو مختلف صوبوں اور مقاموں میں منتشر پائی جاتی ہیں وہ اسلامی تمدن و تہذیب اور اسلامی اخلاق و مذہب سے محروم رہ جائیں گی اور ان کی حالت اس قدر ذلیل و پسماندہ ہو جائیگی کہ اُن میں اور نیچ قوموں میں کچھ فرق نہ رہے گا یا وہ گم نام و بے نشان ہوکر دنیا سے مٹ جائیں گی۔ ایک زمانہ تھا جب کہ یہ ممکن تھا کہ یہ زبان جو ہندو مسلمانوں کے اتحاد کی یادگار اور پراکرت فارسی اور عربی کی گودوں میں پلی ہے ہندو مسلمانوں اور انگریزوں کی سعی اور ہمدردی سے جنھوں نے اس کی نشو و نما میں برابر کا حصہ لیا تھا، اِس سرزمین کی مشترکہ اور عام زبان ہو جاتی، جو قومی ارتقا اور باہمی اتحاد و یک جہتی میں بہت بڑی سہولت پیدا کر دیتی۔ لیکن

اگر ایسا ہو جاتا اور ایسا ہونا دشوار نہ تھا تو اس میں شبہ نہیں کہ یہ انگریزی حکومت اور دانشمندی کی دائمی یادگار ہوتی۔ لیکن افسوس کہ آپس کے حسد و رقابت نے ملک کو اس نعمت سے محروم کر دیا۔ وہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا اور اب یہ صرف خواب و خیال رہ گیا ہے۔ اس کی جگہ اب ایک اور زبان نے لے لی ہے جو سات سمندر پار سے آئی ہے

عمل و خدمت

لیکن کیا اس عظیم الشان کانفرنس میں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے؟ کیا ہم مسلمانوں کی اس خواہش اور مطالبہ کو سُن کر اور سمجھ کر خاموش رہ جائیں گے؟ کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ ہم اُن کی اس دلی خواہش اور مطالبہ کو پورا کر سکیں؟ اس کی تدبیر **عمل** اور **خدمت** ہے اور ایسے بڑے کام مستقل عمل اور خدمت ہی سے انجام پا سکتے ہیں۔ ہندوستان کے ہر صوبہ میں مسلمانوں کے سیکڑوں اور ہزاروں مکتب موجود ہیں جہاں قرآن شریف اور اُردو کی بُری بھلی تعلیم ہوتی ہے۔ اگر ہم اُن کی ابتدائی تعلیم کے لئے غور و احتیاط کے ساتھ ایک مناسب نصاب تعلیم مقرر کر دیں تو یہی مکتب ہمارے مقاصد کے لئے نہایت مفید و کار آمد ہو سکتے ہیں۔ کانفرنس کا یہ فرض ہے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے کام کرنے والوں کی ایک جماعت قائم کرے۔ ایسی جماعت نہیں جو کبھی کبھی ہندوستان کے کسی تعلیمی مرکز میں یا صوبہ کے بڑے شہر میں اپنے

جلسے منعقد کرے بلکہ ایسے کام کرنے والے اشخاص جو ہر قصبے اور گاؤں میں موجود ہوں جو مسلمانوں کی مقامی ضروریات کا صحیح طور سے مطالعہ کریں اور اپنے مشورہ اور اتحاد سے اُن کی مشکلات کے آسان کرنے میں مدد دیں اور اگر ضرورت ہو تو مجاہدہ کے لئے بھی آمادہ رہیں۔ جب تک مستعد، مخلص اور خاموشی سے کام کرنے والے افراد مُلک کے گوشہ گوشہ میں نہ پھیل جائیں گے اس وقت تک ہماری عمدہ سے عمدہ تجویزیں اور رزولیوشن، فصیح سے فصیح تقریریں اور پُر زور سی پُر زور درخواستیں اور میموریل بیکار ثابت ہوں گے اور ہم کبھی جہالت کی تاریکی رفع کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ ایسے افراد کے مہیا کرنے میں جو خوشی اور دیانت کے ساتھ کام کرنے پر رضامند ہوں محنت، صبر اور استقلال کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اس کانفرنس کی صوبہ واری اور ضلع واری مجلسوں کو چاہئے کہ یہ کام فوراً اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ اور میں یقین دلاتا ہوں کہ جو لوگ اس مبارک جماعت میں شریک ہونگے وہ اپنی قوم پر بڑا احسان کرینگے اور اس کا اجر بھی اُنہیں فوراً مل جائیگا۔ کیونکہ اس خدمت کو اپنے ذمہ لے لینے سے انہیں اپنے پیشہ اور کاروبار میونسپلٹیوں کے معاملات اور زندگی کے عام مسائل میں بڑی مدد ملے گی۔ اب باتیں اور تقریریں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ ہندوستان کی آیندہ قسمت کا فیصلہ سچائی سے عمل کرنے والوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ جماعت کمر ہمت باندھ کر مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کردے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ حالت ہو گی کہ کوئی مسلمان

بچہ ایسا نہ ملے گا جو کم سے کم ایک زبان میں لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔

دیسی زبانوں کی یونیورسٹیاں

عثمانیہ یونیورسٹی

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُردو زبان کی وسعت صرف ابتدائی تعلیم تک محدود رہے گی ؟ کیا اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہے ؟ کیا وہ زبان جسے ہم نے زمانہ معصومیت میں شوق سے پڑھا تھا ابتدائی تعلیم کے بعد ہمارا ساتھ چھوڑ دیگی ؟ کیا وہ زبان جس کے ذریعہ سے ہم نے اپنے مقدس مذہب و اخلاق کی تعلیم حاصل کی تھی، آگے چل کر ہمارے کام نہیں آئے گی ؟ کوئی خود دار قوم اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی مادری یا قومی زبان عمر بھر اس کا ساتھ نہ دے، یا وہ لطیف اور اعلیٰ خیالات کے اظہار میں قاصر ہو یا وہ علمی دنیا میں قدم رکھتے ہوے شرماتی ہو۔ اگر کوئی ایسی زبان ہے تو بلاشبہ وہ صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائے گی۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اردو زبان میں آگے بڑھنے، اعلیٰ، لطیف اور علمی خیالات کے اظہار کی کافی صلاحیت موجود ہے، بشرطیکہ ہم میں خود داری اور غیرت ہو۔ بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ ہندوستان کی اُن تمام آریائی اور دراوڑی زبانوں میں جن کے شیدائی لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہیں یہ صلاحیت موجود ہے۔ بشرطیکہ اہل زبان کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہو۔ اس بنا پر میں صرف اُن تمام حضرات سے جو اس کانفرنس میں تشریف رکھتے ہیں، نہ صرف اُن

ے جن کی مادری زبان اُردو ہے بلکہ ہر مذہب و ملت کے اصحاب سے خواہ اُن کی کوئی زبان ہو، یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اُس مبارک اور عظیم الشان تحریک کا جس کی بنیاد فرماں روائے دکن **اعلیٰحضرت حضور نظام خلداللہ ملکہ** نے قائم کی ہے سچے دل اور جوش کے ساتھ خیر مقدم کریں ۔ کیونکہ یہ صحیح معنوں میں قومی تعلیم کی بنیاد ہے اس تحریک سے میرا مطلب **عثمانیہ یونیورسٹی** سے ہے جو **حضورِ پرنور** کے فرمان سے حیدرآباد میں قائم کی گئی ہے ۔ جس میں انگریزی زبان کی تعلیم بحیثیت زبان کے لازمی ہوگی ۔ لیکن تمام علوم و فنون یونیورسٹی کے اعلیٰ مدارج تک اُردو زبان کے ذریعہ پڑھائے جائینگے ۔ یہ نیا اور نادر تجربہ ہے اگر اس میں ہمیں کامیابی ہوئی اور ثابت ہوا کہ ہمارے طالب علم غیر زبان کے الفاظ کے رٹنے سے آزاد ہوگئے ہیں اور بجائے اس کے ان کا میلان اشیا کے حقیقی علم حاصل کرنے کی طرف ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اُن میں انگریزی زبان کی قابلیت بھی کافی ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی ۔ تو اس تجربہ سے ہندوستان کی دوسری زبانوں کے لئے بھی دروازہ کھل جائیگا ۔ اور اسی کے ذریعہ سے وہ گوہر نایاب جس کی جستجو میں ہم حیران و سرگرداں ہیں ۔ یعنے **قومی تعلیم** وہ بھی ہمیں مل جائیگا ۔ یہی وہ تعلیم ہے جو ہماری قومی خصوصیات و روایات اور ملکی حالات پر مبنی ہے ۔۔ جسے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ اجنبی اور غیر نہیں بلکہ اپنی چیز ہے ۔ جو ہمیں تعلیم کی کسی منزل میں بھی اپنی تہذیب و شائستگی، اپنی خصوصیات اور اپنے مذہب و اخلاق سے بیگانہ نہیں بناتی بلکہ ان کی تکمیل میں مدد دیتی ہے ۔ پھر آپ اُن علوم و فنون

اور اعلیٰ خیالات کا خیال کیجئے جن سے ہماری زبان مالا مال ہوگی۔ اور جن تک ہر فردِ قوم کی رسائی ہو سکے گی ۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ عام تعلیم صرف معمولی نشد بُد تک محدود رہنی چاہئے اور جس سے آگے بڑھنے کا دعوےٰ مفت اور جبری تعلیم کو بھی نہیں ہے۔ بلکہ علم کی نعمت سے ہر شخص کو متمتع ہونے کا حق حاصل ہونا چاہئے اور ابتدائی درجہ سے لیکر آخری منزل تک طے کرنے کا موقع ملنا چاہئے ۔ تاکہ اس کی روشنی محلوں سے لیکر جھونپڑوں تک یکساں پہنچے یہ خدمت صرف اسی قسم کی یونیورسٹی انجام دے سکتی ہے جس کا سرچشمۂ فیض ہر کہ و مہ کے لئے ہر وقت اُبلتا رہیگا ٭

فرقہ واری یونیورسٹیاں

حضرات! میں آپ سے سچے دل سے اور نہایت زور کے ساتھ التجا کرتا ہوں کہ آپ ایک لحظہ کے لئے بھی یہ گمان نہ کریں کہ اس قسم کی تحریک کسی طرح بھی کسی خاص فرقہ یا صوبہ یا جماعت سے مخصوص ہے اور اس کا منشاء آپس میں تفریق پیدا کرنا ہے۔ بلکہ یہ قومی خودداری کا پہلا اصول ہے اور ہر قوم جس میں ذرا بھی غیرت ہے اپنے روایاتِ تہذیب کے ادب و احترام پر مجبور ہے۔ اور یہ ادب و احترام قومی ارتقا کا مخالف نہیں بلکہ اس کا بڑا حامی اور معاون ہے ۔ انگلستان کے سب سے نامور سیاسی فلاسفر ایڈمنڈ برک نے ، جس کی تصانیف بدقسمتی سے اب ہماری یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم سے خارج کردی گئی ہیں کیا خوب کہا ہے :۔

"کسی جتھے یا گروہ کی فلاح میں انہماک ظاہر کرنا، سوسائٹی کی کسی جماعت سے جس سے ہمارا تعلق ہے محبت کرنا جمہور کی محبت کا بیج بونا ہے۔ یہ اُس سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس کے سہارے ہم ملک اور بنی نوع انسان کی طرف بڑھتے ہیں۔ سوسائٹی کی اس جماعت کی فلاح ایک امانت ہے جس میں سوائے بُرے لوگوں کے کوئی خیانت نہیں کر سکتا۔ اور سوائے غدار کے کوئی اُسے اپنے ذاتی اغراض کے لئے قربان نہ کریگا۔"

میں اس قسم کی تمام تحریکات کو بشرطیکہ وہ باہمی نفرت اور حسد و رقابت سے پاک ہوں قومی حیات کی تکمیل کے لئے نہایت مبارک خیال کرتا ہوں۔ مجھے اس امر کی یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جس وقت پہلے پہل اس کانفرنس میں مسلم یونیورسٹی کی بحث چھڑی تو مجھے سخت اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اُس تفریق و نفرت کو جو پہلے ہی سے اس بد نصیب ملک کی اقوام میں موجود ہے اور مشتعل کرے اور اس لئے میں فرقہ واری یونیورسٹیوں کے قیام سے ایک مدت تک بدگماں رہا۔ لیکن جدید حالات اور جدید انقلاب خیالات نے میرے دل میں کچھ کچھ امید پیدا کی ہے کہ ہندو مسلم یونیورسٹیاں اتحاد و محبت پیش نظر رکھ کر کام کریں گی۔ اور اُن میں سے ہر ایک یونیورسٹی اپنی اپنی تہذیب و علم اور تاریخی روایات کی خوبیوں کی تحصیل و تکمیل کرے گی۔ ایک دوسرے کے تمدن و علوم اور کمالات پر ہمدردانہ نظر ڈالے گی۔ اس طریقے سے ہندوستان کی ہر جماعت اور ہر قوم کو اپنی خصوصیات اور اپنے

اصلِ تمدن کے لحاظ سے بڑھنے اور ترقی کرنے کی کامل آزادی ہوگی۔
تاکہ ہم اصلی ہندی قومیت میں اپنے مخصوص تمدنوں کے شایستہ نمونے
پیش کر سکیں اور ہند کی قومی مجلس میں اپنی اپنی خوبیوں سے ایک
دوسرے کی کوتاہیوں کی تلافی کریں جس طرح اسلامی تمدن نے مختلف
صورتوں سے ہندوستان پر اثر ڈالا ہے اور ہندوستان کے تمدن کا
اثر مسلمانوں پر ہوا۔ اسی طرح ہم ہندو ہوں یا بدھوی ایرانی ہوں
یا مسلمان یا عیسائی اپنی خصوصیات سے جو اب تک ہم میں باقی
ہیں ایک دوسرے پر پسندیدہ اثر ڈالتے رہیں گے جس طرح مختلف ندیاں
مختلف راستوں سے ہوکر آخر ایک دریا میں آکر ملتی ہیں۔ اسی طرح
ہمارے مختلف تمدن اور تہذیبیں مختلف طریقوں سے ترتیب پاکر ایک
جگہ جمع ہونگی اور اس اصل ہندی قومیت اور اتحاد کی بنیاد ڈالینگی
جو ہماری تمام جدّ و جہد کی اصل غایت اور ہماری آیندہ ترقی اور
کامیابی کا راز ہے۔ ہمارے پیچھے قدیم ہندو' ایرانی اور اسلامی
شاندار اور پُر اسرار تہذیب و علوم ہیں اور سامنے یوروپین وسیع
اور حیرت انگیز تمدن و سائنس۔ ہم نہ گزشتہ کو ترک کر سکتے ہیں
اور نہ موجودہ سے انکار۔ انسانی ذہانت اور دماغ کے یہ دونوں
مظاہر ہیں اور مشیّت ایزدی ہے کہ ہم دونوں کی خوبیوں سے
اپنے حیات اور علم ادب میں استفادہ کریں۔ اس مقدس فرض کو
یہی یونیورسٹیاں انجام دیں گی جو اپنے طالب علموں کے دلوں میں تہذیبِ
ذوق' علم کا سچا شوق' رواداری اور حُبِّ وطن کے ایسے بیج بوئینگی
کہ ہندوستان حقیقی معنوں میں جنت نشان ہو جائیگا۔ اگرچہ یونیورسٹیاں

الگ الگ ہیں، اُن کے انتظامات بھی جدا جدا ہیں لیکن اُن کے مقصد اور نصب العین میں کوئی فرق نہیں گو راہیں جُدا جُدا ہیں مگر منزل مقصود ایک ہے *

جب یہ دونوں یونیورسٹیاں ان اصول اور اس مطمح نظر کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں گی تو اُس وقت خود بخود حسد و رقابت، تفریق و منافرت اس ملک سے اُٹھ جائیں گے۔ اور ہندوستان ایک ملک اور ایک قوم ہوگا۔ ہندوستان اور اُس کی قومیّت کے لئے وہ دن نہایت منحوس ہوگا اگر مسلمان اجنٹہ کی حیرت انگیز اور لازوال نقاشی یا ایلورا کی عجیب و غریب سنگ تراشی کے نمونے دیکھیں اور عش عش نہ کرنے لگیں یا وہ جیا دیو کے من موہن گیت یا بھگوت گیتا میں سری کرشن کا پُر معنی اور لطیف کلام پڑھیں اور وجد نہ کرنے لگیں۔ ہندوستان اور اس کی قومیّت کے لئے وہ دن نہایت منحوس ہوگا اگر دہلی و آگرہ میں مغلوں کی اور بیجاپور میں عادل شاہیوں کی نادرِ روزگار اور عالیشان عمارتیں دیکھ کر یا شیر شاہ، اکبر یا دکن کی چاند سلطانہ جیسے نامور فرمانرواؤں کے شاندار کارنامے یا محمود گاواں اور ابوالفضل جیسے وزرائے باتدبیر کے کارہائے نمایاں پڑھ کر یا البیرونی و فیضی جیسے حکما و مورخین کی تصانیف مطالعہ کرکے یا خسرو غالب اور حالی جیسے بلند پایہ شعرا کا حکیمانہ اور پُر درد کلام سُنکر ہندؤں کے دلوں میں فخر و مسرّت کی لہریں موج زن نہ ہوں۔ ہندوستان کی بڑی بد نصیبی ہوگی اگر کیننگ، رپن جیسے وائسرائوں یا منرو اور الفنسٹن جیسے مدبّرین

یا اڈمنڈ برک اور جان برائٹ جیسے ہندوستان کے بہی خواہوں یا
ہیبر اور ملر جیسے مشنریوں کی نیک نفسی اور عالی ظرفی سے
ہندو مسلمانوں کے دل متاثر نہ ہوں۔ یہ سب ہندوستان کے
دوست تھے اور ایسے سیکڑوں تھے جنھوں نے نیک نیتی سے
ہندوستان کی خدمت کی۔ یہ سب مادر ہند کے سپوت ہیں خواہ
ہندو ہوں یا مسلمان ہوں یا عیسائی۔ یہ مہر و آشتی کا دور ہوگا
جبکہ مذہب و ملت کی تفریق دلوں میں تفریق پیدا نہیں کریگی۔
اور یہ اِن یونیورسٹیوں کی سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔ اُس
وقت انہیں اور ایک کام بھی کرنا ہوگا جو اب تک نہیں ہوا۔
یعنے ہندوستان کی ایک جدید تاریخ لکھنی پڑے گی۔جس میں
ہندوستان کے محسنوں اور خدمت گزاروں کی محنتوں کی داد دی
جائیگی۔ اور جو بجائے دلوں میں عداوت پیدا کرنے کے اتحاد اور
قومیت کی تکمیل کریگی۔

ہندوستان کیلئے جدید تاریخ کی ضرورت

اُس تاریخ میں ہمیں وہ واقعات نظر آئیں گے جن پر اس وقت
پردہ پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ جس کا تعلق
ہندوستان کی گزشتہ علمی مساعی سے ہے، آپ کے مشہور مورخ
مولف "پروموشن آف لرننگ ان انڈیا" (ہندوستان کی علمی ترقی)
نے بیان کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا
طفیل تھا کہ بنگالی زبان آج ہندوستان کی زبانوں میں علمی

لحاظ سے اس قدر ممتاز ہے۔ مسٹر نریندرا ناتھ لا کہتے ہیں:-
"بنگال کے فرماں رواؤں کی کوششیں صرف اسلامی علوم کی ترقی ہی تک محدود نہیں رہیں بلکہ اُن کی علمی سرپرستی دوسری طرف بھی منعطف ہوئی جس کا جاننا اہل بنگال کے لئے خصوصیت کے ساتھ دلچسپ ہوگا۔ انہیں یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ اُن کی زبان کی ادبی اور علمی ترقی اُن کی کوشش سے نہیں ہوئی بلکہ یہ درجہ اُسے مسلمانوں کی بدولت نصیب ہوا۔ اول اول اُن کی دلچسپی شوقیہ تھی اور کچھ اس وجہ سے کہ اس کا تعلق سنسکرت سے ہے جسے ہندو قوم بہت عزیز رکھتی ہے جس سے مسلمانون کو اکثر تعلق رہتا تھا۔ پہلے پہل بنگال کے مسلمان حکمرانوں نے رامایَن اور مہابھارت کی طرف توجہ کی اور اُن کی سرپرستی میں اِن دونوں کتابوں کے ترجمے بنگالی میں ہوئے۔"
"ایسی کتابوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں جن کے ترجمے فارسی اور سنسکرت سے مسلمان حکام کی سرپرستی مین بنگالی مین ہوے۔ اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ پہلے سنسکرت کے دل دادہ برہمن اور ہندو راجہ بنگالی زبان کو حقارت سے دیکھتے تھے لیکن اس کے بعد سے یہ بات نہ رہی ہندو راجاؤں نے بھی مسلمان بادشاہ اور حکام کی دیکھا دیکھی بنگالی مصنفین کی قدر کرنی شروع کی پھر درباروں میں بنگالی ملک الشعراؤں کا رکھنا ایک "فیشن" ہوگیا۔
مسٹر بی چودھری "بنگالی ادب کے داستان" میں لکھتے ہیں کہ بنگالی زبان جو بہ لحاظ اصل کے ہر دلعزیز ہے اور اس میں زیادہ تر جو جمہوریت کی شان پائی جاتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بنگالی اہل علم کا

تعلق اسلام سے رہا۔"

کبھی کرتے تھے ہم بھی حکمرانی اِن ممالک پر
مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان و دل پر تھا
تمہیں لے دے کے بس اِس داستاں کی یاد ہے آتی
کہ عالمگیر ہندوکُش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

قدیم مدارس کی اصلاح

اس کے علاوہ اس قسم کی یونیورسٹی کا ایک اور کام بھی ہوگا اور میں اس مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ اس لئے زیادہ تر مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اس کی احتیاج اس صوبہ میں خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ یہ کام قدیم طرز کے مدارس کی اصلاح ہے۔ اس قسم کی یونیورسٹیوں کی علوم مشرقیہ یا دینیات کی فیکلٹی مشرقی علوم کے اُن مدارس کو جو اب تک نظامیہ نصاب کی تعلیم دیتے ہیں اپنے زیر اثر لاسکتی ہے۔ میں اپنے حیدرآباد کے تجربہ کی بنا پر یہ کہ سکتا ہوں کہ وہ علما اور طلبہ جو اِن مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں ہماری قوم کے مفید اور کار آمد رکن ہیں۔ مذکورۂ بالا فیکلٹی ان مدارس کی تعلیم میں اصلاح کرکے زیادہ خودداری اور زیادہ وسعت نظر پیدا کرسکتی ہے۔ اور خود یونیورسٹی کا اس میں یہ فائدہ ہے کہ وہ ہر قسم کے علوم تہذیب ذوق کی جامع ہوگی اس ضمن میں مَیں آپ صاحبوں کی خدمت میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو حضرات اس قسم کے مدارس کی اصلاح کے خواہشمند ہیں انہیں حیدرآباد جیسی اسلامی ریاستوں

نیز مصر کے تعلیمی تجربوں سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہئے ۔ حیدرآباد میں دارالعلوم اور مدرسۂ نظامیہ موجود ہیں جہاں کے طرز تعلیم اور نصاب سے ضرور اُن کی معلومات میں اضافہ ہوگا ۔ مصر کے وزیر تعلیمات کی مطبوعات کے دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اُن میں خاص کر دینیات اور لڑکیوں کی تعلیم کے نصاب ہندوستان کے اسلامی مدارس کے لئے بہت مفید معلوم ہوتے ہیں *

سلطانیہ کالج

حضرات ! اب میں اسی قسم کی ایک اور قابل قدر تحریک کا مختصراً ذکر کرنا چاہتا ہون جو حال ہی مین پیدا ہوئی ہے میری رائے مین یہ بابرکت تحریک مسلمانون کے حق مین رحمت ثابت ہوگی یہ پہلا وقت ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانون نے اپنی تمام آئیندہ امیدون اور دنیاوی مسرتون کو قربان کرکے قوم کی خدمت کے لئے کمر باندھی ہے ۔ ہم میں کونسا مسلمان ہے جس کے دل میں یہ خیال نہ آیا ہو کہ کاش ہم میں بھی گوکھلے، پرنجپے، شاستری اور دیودھر جیسے سچے اور بے ریا خادمانِ قوم ہوتے ۔ خدا کا شکر ہے کہ سلطانیہ کالج کے محرکوں اور بانیوں نے خلوص اور ایثار کی ایسی اعلیٰ مثال پیش کی ہے جو ہمارے نوجوانوں کے لئے قابل تقلید اور ہم سب کے لئے قابل فخر ہوگی ۔ ہم زیادہ تر اپنی خود غرضیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور جب تک ہم یہ نہ سمجھیں کہ معلم کی قدر دنیاوی مال و جاہ میں نہیں بلکہ اُس کے استغنا، اُس کی پاک اور شریفانہ زندگی اور اُس کے خلوص و ایثار میں ہے، اُس وقت تک ہمیں کسی ترقی کی امید نہیں کرنی چاہئے

ہم معلمین کی کمی تنخواہ کے متعلق اکثر لوگوں کو شکایت کرتے سنتے ہیں
یہ ہماری قدیم روایات کے خلاف ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے
ان غریب مدرسین سے ہمدردی نہیں بلکہ میں یہ جتانا چاہتا ہوں کہ ان
کی قدر و قیمت روپیہ پیسے میں نہیں بلکہ اُس ادب و احترام میں ہے
جس کا یہ شریف پیشہ ہرطرح مستحق ہے۔ ہم اپنی قدردانی اور عزت
سے انہیں وہ کچھ دے سکتے ہیں جو سرکار یا اُن کے افسر انہیں نہیں
دے سکتے۔ یہ ملک کی خوش نصیبی ہے کہ **سُلطانیہ کالج** کے ارکین
اعلیٰ تعلیم کی خدمت کرکے تعلیمی کارگزاروں کے لئے قدر و قیمت کا
سچا اور صحیح معیار قائم کرنے والے ہیں۔ اُن کی بے ریا مساعی اہل
ملک کے لئے خود ایک ایسی تعلیم ہیں جو کالجوں اور یونیورسیٹوں
کی تعلیم سے جو محض امتحانات میں کامیاب ہونے کے لئے حاصل کی
جاتی ہے کہیں افضل و اشرف ہے۔ میں بانیان و محرکین سلطانیہ کالج
کو اُن کی مردانہ ہمت پر مبارک باد دیتا ہوں اور روشن خیال و
فخرِ قوم فرماں روائے ریاست بھوپال کے فرزند سعید پرنس حمیداللہ خاں
کے جوش و حب قوم اور خلوص کی تعریف کرتا ہوں، جن کی حمایت
و سرپرستی میں یہ کالج پھولنے پھلنے والا ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ
کالج ہرطرح کامیاب و سرسبز ہو اور اس کی تقلید میں ہندوستان
کے ہر حصہ اور گوشہ میں اسی قسم کی درسگاہیں ایسے ہی ایثار و
خلوص پر مبنی ہوں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ ہماری ہم قوم
اس کی تکمیل کے لئے دریا دلی کے ساتھ مدد دیں گے۔ اگر ہم نے
اس کی اشاعت میں کوتاہی کی اور جلد اس کی تکمیل نہ کردی تو

ہماری خودداری میں نہایت بدنما دھبہ رہیگا اور ہم ایک ایسے جرم کے مرتکب ہوں گے جو کبھی معاف نہ ہوگا ٭

تعلیمِ نسواں

اس خطبہ میں یہ توقع رکھنا کہ میں مسلمانوں کی تعلیم کے ہر شعبہ پر گفتگو کروں امکان سے خارج ہے دوسرے اگر میں کوشش بھی کروں تو محض آپ کی سمع خراشی ہوگی ۔ خصوصًا ایسی حالت میں جبکہ میں گزشتہ دو تین سال کے اندر اول حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس میں اور پھر ایک سال قبل جنوبی ہند کی ایجوکیشنل کانفرنس میں ان میں سے بعض مسائل پر کافی بحث کرچکا ہوں ۔ لیکن میرے اس سکوت سے ہرگز یہ خیال نہ کیا جائے کہ میری اُن رائوں میں کسی قسم کا ضعف پیدا ہوگیا ہے یا میں اُنھیں اُن مسائل سے جن پر میں نے آج بحث کی ہے کم اہم سمجھتا ہوں ۔ میری مدت سے یہ رائے ہے اور اب بھی میں اُسی وثوق اور یقین کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ لڑکیوں کی تعلیم اسی قدر ضروری ہے جتنی لڑکوں کی بلکہ میرے خیال میں بعض حالتوں میں یہ اُس سے زیادہ اہم ہے ۔ کیونکہ اگر آپ نے اپنی لڑکیوں کو معقول تعلیم دیدی تو اس کے یہ معنے ہیں کہ آپ نے اپنے لڑکوں کی تعلیم کی بہترین صورت نکال لی ۔ جیسا کہ میں نے اردو کی تعلیم کا انتظام اور مکاتب کی اصلاح کے ذیل میں کہا ہے وہی اس مسئلہ خاص کے متعلق کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں واقعات کا مطالعہ بہت احتیاط ، غور اور صبر کے ساتھ کرنا چاہئے۔

اور خاص پروگرام تعلیم کا مرتب کر لینا چاہیے۔ جس میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ مدت تعلیم کیا ہوگی اور اس مدت میں ہر سال کی تعلیم کا کیا اندازہ ہوگا تاکہ جو مقصد ہمارے پیش نظر ہے وہ اس عرصہ میں حاصل ہو جائے۔ کام کرنے والی جماعت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ان واقعات کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ اس پروگرام کی پوری پابندی کی جاتی ہے یا نہیں۔ اُستانیوں کی مطلوبہ تعداد مہیا ہوگئی یا نہیں۔ مناسب تعداد لڑکیوں کی مدرسہ میں آتی ہے یا نہیں۔ اور اس کام کے چلانے کے لئے کافی رقم جمع ہوگئی یا نہیں۔ گورنمنٹ کی مدبرانہ دانشمندی اور تعلیمی ہمدردی پر مجھے اس قدر یقین ہے کہ بطور اصول موضوعہ کے یہ فرض کرلیتا ہوں کہ وہ ابتدائی تعلیم کی توسیع میں کبھی روپیہ کا مضایقہ نہیں کریگی۔ اگر لوکلفنڈ کی رقم کافی نہ ہوئی تو حتی الامکان دوسرے مقامی ذرائع سے اس میں اضافہ کر دیا جائیگا۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا تو صوبہ کی آمدنی یا شاہی آمدنی سے کمی پوری کردی جائیگی۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم نسواں کی توسیع کے متعلق ہمارا مطالبہ صحیح معلومات پر مبنی اور مناسب صورت میں ہو۔ اور گورنمنٹ ہر طرح سے معین اور کافی تدابیر اس مطالبہ کے پورا کرنے کے لئے عمل میں لائے۔

کُتُب خانے

کُتُب خانوں کا مسئلہ لیجئے۔ یہ بھی کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ مجھے اس کا کامل یقین ہے کہ اعلیٰ تعلیم کی اشاعت میں یہ بہت بڑا ذریعہ

ہیں۔ خصوصًا اگر اِن کتب خانوں میں دیسی زبانوں کی کتابیں اور اخبارات اور رسالے ہوں۔ کیونکہ اُن مردوں عورتوں کے لئے جو اپنے مطالعہ اور شوق سے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جنھوں نے ہماری ابتدائی مدارس میں اپنی زبان کی مناسب تعلیم پائی ہے مگر افلاس یا ملکی رسم و رواج کی وجہ سے علمی زندگی سے محروم رہ گئے ہیں' یہ کتب خانے ہائی اسکول کالجوں اور یونیورسٹیوں کا کام دیتے ہیں۔ اگر اس قسم کے کتب خانوں کا انتظام صحیح اصول پر ہو اور تمام مُلک میں ہر مقام پر ان کے قیام کا بندوبست کیا جائے تو میرے خیال میں وہ ملک کی علمی اور دماغی ترقی کے لئے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے کثرت کے ساتھ ملک میں ایسے مدارس کا ہونا جو صحیح اصول پر عمدہ انتظام اور کافی نگرانی میں ہوں ✤

مقامی مسائل

کلکتہ یونیورسٹی کی سینٹ اور سنڈیکیٹ میں مسلمانوں کی کافی نیابت ! اُن ڈیڑھ ہزار مسلمان طلبہ کی اقامت کا انتظام جو مفصلات سے کلکتہ میں بہ غرض حصول تعلیم موجود ہیں' اور جنھیں اس غدار شہر میں جہاں ہر قسم کی موجبات ترغیب ہیں اپنے اپنے رہنے کا خود انتظام کرنا پڑتا ہے ! اسلامی نقطۂ خیال سے مختلف نصاب ہائے تعلیم کی نظر ثانی' خصوصًا موجودہ فارسی عربی کا اجتماعی نصاب جسے تقسیم کرکے دو جدا جدا مستقل مضامین بنانے کی ضرورت ہے۔ اور اُن مدارس اور کالجوں میں جہاں مسلمان طالب علموں کی تعداد معتدبہ ہے' اِن

مضامین کی تعلیم کا کافی اور مزید انتظام یہ اور اسی قسم کے دوسرے
مقامی مسائل کو لائق مقررین جن کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے زیادہ تفصیل
اور خوبی کے ساتھ پیش کریں گے اس لئے میں ان کے متعلق کچھ کہنا
نہیں چاہتا ۔ البتہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے متعلق صرف اس قدر کہنے کی
اجازت چاہتا ہوں ۔کہ یہ امر مخالف دموافق سب نے تسلیم کر لیا ہے کہ
مسلمانان مشرقی بنگال کی تعلیمی ترقی کی طرف سے بہت زیادہ اور
نامناسب عرصہ تک غفلت کی گئی ہے ۔ اُن کی آنکھیں اب اس
یونیورسٹی کی طرف لگی ہوئی ہیں ۔ اور اُن کے مایوس دلوں کو اس
اُمید نے بہت کچھ ڈھارس دے رکھی ہے ۔کہ اس یونیورسٹی کی بدولت
گزشتہ غفلت کی تلافی ہوگی اور خصوصاً اسلامی کالج اور شعبۂ علوم
اسلامیہ کے قیام سے انہیں اعلیٰ تعلیم میں بڑی مدد ملے گی ۔

ہز اکسلینسی وائسرائے بہادر نے حال ہی میں اس یونیورسٹی کے
متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ یونیورسٹی بلا مزید
تاخیر کے قائم ہو جائے گی ۔ لیکن اس موقع پر میں اس قدر اور عرض
کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یونیورسٹی کی تعلیم اور اس کی انتظامی مجلسوں
میں ان لوگوں کی نیابت اور حقوق کا خیال نہ رکھا گیا جن کے
فائدے کی غرض سے ابتداءً اس کے قیام کا خیال پیدا ہوا ۔ اور
اس بارے میں خاص احتیاط عمل میں نہ آئی تو اس کی اصل غرض و
غایت فوت ہو جائے گی ۔

اس سلسلہ میں میں اپنے اُن الفاظ کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں جو
میں نے گزشتہ سال جنوبی ہند کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سامنے

کہے تھے :-

"میں اس کا سخت مخالف ہوں کہ ہم اپنی درخواست بھکاریوں کی طرح سرکار کے سامنے لیکر جائیں یا ہم اس کا مطالبہ دوسری اقوام کے مقابلہ میں بطور خاص رعایت کے کریں جو ہماری جیسی قوم کی خودداری کے منافی ہے - میں نے ان رعایتوں یا مطالبہ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یہ ہندوستان کے عام فوائد کے لئے نیز دوسری اقوام اور گورنمنٹ سب کے حق میں بہتر اور مفید ہوگا - میں ہر تدبیر سے زیادہ مقدم اور زیادہ اہم اس اصول کو سمجھتا ہوں کہ مسلمان ہر معاملہ میں اپنی مدد کے لئے خود آمادہ ہوں اور اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونا سیکھیں اور اس بنا پر ان کا یہ فرض ہے کہ وہ تعلیمی اغراض کے لئے ہر قسم کا بار اٹھائیں اور مشقت سہیں - اور کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ مسلمان گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ اُن پر ایک تعلیمی سیس اُس ٹکس کے ساتھ اضافہ کردیا جائے جو وہ زر مالگزاری یا انکم ٹکس یا کسی اور ذریعہ سے سرکار کو ادا کرتے ہیں - اس سے اُن کی خواہش اور مطالبہ کی صداقت کا ثبوت ملے گا اور اُس وقت تمام ذرائع کے استعمال کرنے کی کوشش کے بعد اُن کے مطالبات میں سے رعایت کا بدنما لفظ خود بخود خارج ہو جائے گا لیکن قبل اس کے کہ اس قسم کی تجاویز قطعی طور سے طے کئے جائیں یا کوئی درخواست گورنمنٹ میں پیش کی جائے - ضرور ہے کہ اعداد و شمار اور وسائل و ذرائع وغیرہ کی کامل تحقیقات کرلی جائے - لیکن موجودہ حالت میں اُس سے بہتر اور کارگر کوئی تجویز نہیں بتا سکتا جو میں نے خاص مسلمانان

جنوبی ہند کے تعلیمی مسائل کے متعلق پیش کی ہے" ۔

تحقیقاتی کمیشن

حضرات ! نہ تو مجھے اتنی مہلت ہے اور نہ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ میں ان مسائل پر بحث کروں جو اس وقت کئی کمیشنوں کے سامنے پیش ہیں اور جن کے اجلاس ہندوستان میں ہو رہے ہیں۔ لیکن مجھے حُسنِ اتفاق سے اُس کمیشن کے ارکان کے ساتھ کئی گھنٹے بسر کرنے کی عزت حاصل ہوئی جو اِس وقت اسی شہر میں ہندوستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی کے معاملات پر غور کر رہا ہے۔ اس ملاقات اور گفتگو کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کی تحقیقات اور غور و فکر کا نتیجہ کچھ بھی ہو اور خواہ ہم اس سے اتفاق کریں یا نہ کریں لیکن اس کا مجھے پورا یقین ہے کہ جو کچھ وہ کہیں گے یا لکھیں گے وہ ہندوستان کی تعلیمی فلاح اور نیک نیتی پر مبنی ہوگا۔ اور وہ دیگر اثرات سے متاثر نہ ہونگے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کمیشن جس کا صدر ڈاکٹر سیڈلر سا عالم، وسیع النظر، ہمدرد اور ماہر فن تعلیم ہے، وہ ہماری بہت سی مشکلات کو جو ہندوستان کی تعلیم یونیورسٹی کی راہ میں پیش آ رہی ہیں، آسان کرنے کی کوشش کریگا۔ مثلاً ایک الحاق ہی کا مسئلہ ہے۔ جس میں سخت اختلاف ہے۔ حامیانِ الحاق کا منشا یہ ہے کہ علم کی عام اشاعت ہو اور طلبہ اعلیٰ تعلیم سے محروم نہ رہیں۔ دُوسری طرف مخالفین الحاق کا یہ خیال ہے کہ ناقص تعلیم کی اشاعت سے

کچھ فائدہ نہیں علم پختہ اور گہرا ہونا چاہئے ۔ اور یونیورسٹی حقیقی علم و فضل اور علمی تحقیقات کی مرکز ہو ۔ اب یہ ان ماہرانِ تعلیم کا کام ہے کہ مُلک کی ضروریات اور حالات پر غور کرکے کوئی ایسا راستہ نکالیں کہ ہمارے طالب علم اعلیٰ تعلیم سے بھی محروم نہ رہیں اور ہماری یونیورسٹیاں حقیقی علم و فضل کا مرکز بھی بنی رہیں ۔

ایک دوسرا کمیشن ہندوستان کی حرفت و صنعت اور تجارت پر غور کر رہا ہے ۔ اس کمیشن کے صدر سرٹامس ہالینڈ میں جو اس سے قبل ہندوستان میں بہ سلسلۂ ملازمت رہ چکے ہیں اور اس کے ارکان میں سر راجندر ناتھ مکرجی ' سر داراب تاتا ' سر فاضل بھائی کریم بھائی سے تجربہ کار اور ماہرانِ حرفت و صنعت ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس امر کو بلا رو و رعایت صاف صاف بتا دینگے کہ اگر معاملات کی حالت یہی رہی جو ہمیں بمبئی کی شہادت سے چمڑے اور خیموں اور ہسپتال کے سامان کے بہم پہنچانے کے متعلق معلوم ہوئی ہے تو حرفت و صنعت و تجارت کی تعلیم ہماری حرفت و صنعت و تجارت کی ترقی میں کچھ مدد نہیں دے گی ۔ بجز اس کے کہ منشیوں اور محرروں کی ایک اور نئی جماعت پیدا کردے ۔

مجھے اس میں شبہ نہیں کہ لارڈ مارلے کا شاگرد رشید جو اس وقت خوش قسمتی سے ہمارے مُلک میں موجود ہے وہ مدبرانہ تخیل سے کام لیکر ہندوستان کی سیاسی حالت کو ایسی بنیاد پر قائم کرنے کی کوشش کریگا ۔ جس کی توقع میں نے اس صدی کے پہلے سال میں ظاہر کی تھی ۔ مہارشی مہادیو گوبند راناڈے نے

ہندوستان کی سوشل ریفارم (اصلاح تمدن) پر مختلف مضامین لکھوائے تھے۔ اور اُسی بزرگ کی فرمایش سے میں نے "ہندو مسلمانوں کے تعلقات" پر ایک مضمون لکھا تھا۔ جسے میں ہندوستان کا ایسا اہم اور بڑا مسئلہ سمجھتا ہوں کہ اس کے حل ہونے پر دوسرے تمام مسائل کا دار و مدار ہے۔ اس میں مَیں نے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ "اس وسیع برّ اعظم کے مختلف اقوام و ملل کے قلوب اتفاق کی برکت سے متحد ہو جائیں۔ ایسے اتفاق سے نہیں جو عارضی اور سرسری ہو' یا یہ کہ ہندو مسلمان پارسی اور عیسائی ایک دوسرے کو نظر رواداری سے دیکھیں۔ یا ایسی ہمدردانہ عنایت سے جس میں غیریت کی بو آتی ہو۔ بلکہ ایسے اتفاق سے جس میں زندگی اور حرکت ہو اور جس کی بدولت وہ ایک دوسرے کو بھائی سمجھیں اور مشترکہ ارث کی ترقی اور نشو و نما کے لئے مل کر کام کریں، تب ہمارے مردوں اور عورتوں میں خودداری پیدا ہوگی اور ہمارا مُلک اس قابل سمجھا جائیگا کہ وہ برطانیہ کے ملحقہ خود مختار حکومتوں کے برابر جگہ پائے"۔

یہ مشہور مقولہ ہے کہ جنگ کے شور و شغب میں تمام قوانین معطل ہو جاتے ہیں لیکن برطانوی امن و امان کی کوئی تعریف اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ اس نے اس عالمگیر اور طوفان خیز جنگ کے زمانہ میں اپنے نائب و سفیر کو اُس مُہتم بالشان قانون کی بنیاد قائم کرنے کے لئے بھیجا ہے جو صرف ایک فرمانروا قوم ہی کا حق ہے۔ یعنے آزادی کا وہ فرمانِ محکم

جو محکوم قوم کو اپنے حقوق و اقتدارات اور ذمہ داریوں میں حاکم قوم کے مساوی بنا سکتا ہے +

شمشیر تعلیم

حضرات ! یہ زمانہ بہت نازک ہے ۔ ہر طرف انقلاب کی ہوائیں چل رہی ہیں ۔ جدید حالات و واقعات نے خیالات میں تغیر و تزلزل پیدا کر رکھا ہے ۔ ہر قوم اپنے سنبھالنے اور اپنی اصلاح کی فکر میں ہے ۔ باوجودیکہ اس وقت تمام عالم میں ایک کہرام مچا ہوا ہے اور فلک سیاست پر آلام و مصائب کی گھٹائیں گھر گھر کر آ رہی ہیں ۔ تاہم وہ دول بھی جو اس منحوس اور خونخوار جنگ میں مبتلا ہیں ۔ اور جن کے تمام ذرائع ' جان و مال' ساری ہمت و قوت جنگ کے نذر ہے ۔ ایسے نازک وقت میں اپنی قوم کی تعلیم سے غافل نہیں ہیں ۔ ان جدید حالات نے اس امر کو اور واضح اور نمایاں کر دیا ہے کہ دنیا میں وہی قوم زندہ اور سرسبز رہ سکتی ہے ۔ جس کی تعلیم صحیح اصول پر ہے ۔ پس ایسی صورت میں ہم پر جو تعلیم میں دوسروں سے پسماندہ اور اپنی حالت میں دیگر اقوام سے درماندہ ہیں ۔ سخت ذمہ داری ہے ۔ ہم اگر اپنی رفتار معمول سے زیادہ تیز نہیں کرینگے اور اگر ہمارا احساس اس بارے میں قوی نہیں تو اس میں ذرا شبہ نہیں ۔ کہ ہم اس عالمگیر جد و جہد میں پیچھے ہی نہیں رہجائینگے بلکہ اغلب ہے کہ کچل دیئے جائیں +

ایک انگریزی گیت میں ایک بڑے مزے کی اور سبق آموز کہانی ہے :-

لکھا ہے کہ ایک مسافر راستہ بھول گیا اور پہاڑوں میں ٹکراتا پھرتا تھا - پھرتے پھرتے وہ پہاڑ کی ایک کھو میں پہنچا جہاں اِس نے ایک بڑا مکان دیکھا جو طلسمات کا گھر تھا - اس میں بیشمار سورما سپاہی سر سے پاؤں تک ہتیاروں سے سجے بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے - اور اُن کے پاس اُن کے گھوڑے بھی اسی طرح بے حس کھڑے تھے - اتنے میں اس کی نظر ایک چٹان پر پڑی جس پر ایک تلوار اور ایک قرنا رکھی ہوئی تھی - اور اس کے نیچے لکھا ہوا تھا کہ جو کوئی اس فوج سے کام لینا چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک پسند کرلے - مسافر نے قرنا اُٹھا لی اور زور سے پھونکی اس کے پھونکتے ہی ساری فوج ایک آندھی میں غائب ہو گئی اور مسافر جہاں سے آیا تھا وہیں پہنچ گیا - مگر اس کے پیچھے پیچھے ہوا میں پیہم یہ آواز آ رہی تھی -

"لعنت ہے اس بزدل پر جس نے تلوار کھینچنے سے پہلے قرنا پھونکی" ✤

حضرات ! کسی شخص کو اعلانِ جنگ کا حق نہیں ہے جب تک کہ پوری طرح وہ کیل کانٹے سے لیس نہ ہو اسی طرح کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ دنیا کی جد و جہد میں داخل ہو جب تک وہ ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار نہ ہو - ہم میدان میں اُتر آئے

ہیں - ہمیں خوب دیکھ لینا چاہیئے کہ ہم نے اُس نقشے اور اُس نظام عمل پر کامل غور کرلیا ہے جس پر ہمیں کاربند ہونا ہے ؟ ہمارے پاس وہ تمام سامان مہتیا ہے جو اُس کارزار کے لئے ضروری ہے ؟ اگر کچھ کسر باقی ہے تو اب بھی ہم اُس کی تلافی کر سکتے ہیں - ابھی وقت ہے کہ ہم تمام رخنوں کو بند کرلیں - اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ دوش بدوش چلیں اُن کے ساتھ مساوی حیثیت میں رہیں - اُن کے برابر بیٹھ کر مُلکی معاملات پر بحث کریں - مُلک میں اپنی ہستی اور وقار کو قائم رکھیں - اور اُن کے ساتھ متفق و متحد ہو کر اقوام عالم میں ہندوستان کو سُرخرو اور ممتاز کریں تو اس کے لئے صرف ایک ہتیار ہے اور فضائے عالم میں یہ آواز گونج رہی ہے کہ "قرنا پھونکنے سے پہلے تلوار کھینچو" یہ تلوار تعلیم کی تلوار ہے - جو اس زمانہ میں ہماری عزت و آبرو اور ہماری ترقی و خوشحالی کی حفاظت کے لئے لازم ہے - اور جسے ہاتھ میں لینے کے لئے ہمیں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے - تاکہ دیوِ جہالت جو اِس مُلک پر مسلط ہے اس کے زور سے مغلوب اور زیر ہو - اور فرزندان مُلک خدا کی اس سر زمین پر امن و آزادی سے رہیں سہیں - جن کے دل قدیم زمانہ کی شان و شوکت اور کامیابیوں سے مسرور اور آیندہ زمانہ کے توقعات و برکات سے معمور ہوں ٭

بقیہ صفحہ (۷)

چند اعداد و شمار

بہر حال کچھ اعداد جو میں نے فراہم کئے ہیں اُن سے ہماری تعلیم کی حقیقت کسی قدر واضح ہو جائیگی:-

برٹش انڈیا میں تعلیم کے متعلق جو آخری سالانہ اعداد شائع ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۱ - مارچ ۱۶ء کو سرکاری اور پرائیویٹ درسگاہوں میں مسلمان لڑکوں کی تعداد تقریباً پندرہ لاکھ ۱۵۰۰۰۰۰ اور لڑکیوں کی دو لاکھ پچھتر ہزار ۲۷۵۰۰۰ تھی - جس کے مقابلہ میں ۱۶ء میں یہ تعداد علی الترتیب (تیرہ لاکھ پچاس ہزار ۱۳۵۰۰۰۰) اور (دو لاکھ پچیس ہزار ۲۲۵۰۰۰) تھی - یہ اضافہ خصوصًا لڑکیوں کی تعداد میں قابل اطمینان ہے - لیکن نہ اس قدر کہ ہمارے لئے باعث مسرت ہو - برٹش انڈیا میں مسلمانوں کی مردم شماری ۵ کروڑ ½ ۷۰ لاکھ ہے اور لڑکے لڑکیوں کو ملاکر مدرسہ جانیوالوں کی تعداد کا تناسب ۱۵ فی صدی کے مفروضہ تناسب سے بھی کم ہے - لیکن یہ یقین کرنے کے لئے معقول وجوہ ہیں کہ کم از کم ہندوستان میں یہ مفروضہ تناسب حقیقی تناسب سے بدرجہا کم ہے - حال ہی میں آپ کے شہر کے مشہور و معروف رسالۂ ماڈرن ریویو نے ٹراون کور کے انتظامی رپورٹ سے ایک اقتباس شائع کیا تھا کہ ۱۵ فی صدی کا تناسب جو عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے حقیقی تناسب سے بہت ہی کم ہے - چنانچہ رپورٹ نے اس امر پر اس طرح نظر ڈالی ہے کہ ایک تعلقہ میں زیر تعلیم طلباء کی شرح سو فی صدی سے زائد بھی جو بہ ظاہر محتمل ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ مدرسہ جانیوالے

طلبا کا اوسط ۱۵ فی صدی خواہ مخواہ فرض کرلیا گیا ہے۔ اسی بنا پر اس رپورٹ میں مدرسہ جانیوالے طلبہ کا اوسط بہ مقابلہ آبادی کے بجائے پندرہ فی صدی کے ۲۵ فی صدی فرض کر لیا گیا ہے۔ ہندوستان کی اوسط پیدایش کو ملحوظ رکھ کر جو بہت زیادہ ہے یہ زیادہ معقول ہوگا کہ مدرسہ جانیوالے [illegible] تناسب بمقابلہ کل آبادی کے (۱۵) فی صدی سے زیادہ رکھا جائے جس حالت میں کہ موجودہ مفروضہ تناسب کے حساب سے مسلمانوں کی تعلیمی پستی اس قدر زیادہ ہے اگر حقیقی تناسب کے لحاظ سے دیکھا جائیگا تو یہ پستی اور بھی زیادہ معلوم ہوگی +

جن اعداد و شمار کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے وہ اگرچہ مایوس کن ہیں لیکن جب ہم ان اعداد پر تعلیم کے مختلف مدارج کے لحاظ سے نظر ڈالتے ہیں تو یہ مایوسی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ کالجوں میں مسلمان طالب علموں کی تعداد صرف چھ ہزار ہے اور مدارس ثانویہ میں ان کی تعداد تخمیناً دو لاکھ ہے۔ ابتدائی مدارس میں مسلمان طالب علموں کی تعداد سب سے زیادہ پائی جاتی ہے جو تعداد کثیر یعنے ۱۲۳۰۰۰۰ ہے اگر کامل تحقیقات کی جائے تو ظاہر ہوگا کہ ابتدائی مدارس کے کثیر التعداد طلبہ ابجدخوان ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی کی تعداد برٹش انڈیا کی کل آبادی کے مقابلہ میں ⅕ ہے لیکن مسلمان طلبا کا تناسب جو کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں ⅑ اور مدارس ثانوی میں ⅕ سے کم ہے۔

البتہ یہ قابل لحاظ ہے کہ جو طلباء مدارس خاص میں تعلیم پاتے ہیں ان میں پچاس فیصدی سے زائد مسلمان ہیں۔ یہ امر ایسا نہیں ہے جو نظرانداز کر دیا جائے۔ اسلئے میں یہاں صحیح اعداد کا پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں +

مدارس صنعت و فنون میں آخر مارچ ۱۶ء میں کل ۱۲۱۳۰۸ طلباء تھے جن میں سے ۰۷۱۷۸ مسلمان تھے ۔

ان اعداد سے میرے خیال میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمان لڑکے جو زیادہ تعداد میں مدارس ابتدائی صنعتی میں پائے جاتے ہیں اور ثانوی مدارس میں اُن کی تعداد بہت کم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ثانوی مدارس کی ایک، تو تعداد کم ہے دوسرے فیس اس قدر زیادہ ہے کہ مسلمان غیر مستطیع طلبہ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہیں اگرچہ یہ امر مسلم ہے کہ ثانوی تعلیم ہماری قوم کے لئے بہ نسبت دیگر اقوام کے زیادہ ضروری اور مفید ہے ۔ موجودہ حالت میں ہماری قوم کے اکثر نوجوان اپنی تعلیم یونیورسٹی سے محروم ہیں ۔ وہ مجبوراً ابتدائی تعلیم کے بعد ذریعہ معاش حاصل کرنے کے لئے مدارس حرفت و صنعت میں داخل ہو جاتے ہیں ۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ثانوی تعلیم کی مناسب اصلاح کر دی جائے اور ساتھ ہی اُن کی تعداد میں اضافہ اور فیس میں کمی ہو جائے تو اس سے مسلمان طلبہ کو بہت زیادہ فائدہ پہنچنے کی توقع ہے ۔ خصوصاً اُن طلبہ کو جو یونیورسٹی کی تعلیم کے خواہشمند ہیں ۔ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہونے کی حیثیت سے مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں نے یونیورسٹی کی تعلیم سے کافی طور پر فائدہ حاصل نہیں کیا ۔ گو یہ ممکن ہے کہ کوئی ایک آدھ شخص اپنی ذاتی سعی سے ملک میں امتیاز و وجاہت حاصل کرے مگر یہ ناممکن ہے کہ اس زمانہ میں جو جدّ و جہد اور منافست کا مظہر عظیم ہے ہماری قوم اُس وقت تک دوسری اقوام کے مقابلہ

میں اپنی ہستی قائم نہیں رکھ سکتی جب تک کہ ہمارے طلباء بھی
انھیں کی طرح اعلیٰ تعلیم و تربیت سے مسلّح نہ ہو جائیں۔ لارڈ ہالڈین
نے جس کی رائے مسائل تعلیمی میں مستند مانی جاتی ہے ایک عام
جلسہ میں اثنائے تقریر میں کیا خوب کہا کہ اعلیٰ ترین تعلیم کا
دروازہ امیر و غریب سب کے لئے برابر کھلا رہنا چاہئے۔ کیونکہ
اعلیٰ ذہانت کچھ امرا کی وراثت نہیں۔ خدا نے غریبوں کو بھی یہ نعمت
بخشی ہے۔ اور اگر کوئی قوم اپنے بچوں کی قابلیت اور صلاحیت
سے غفلت کریگی تو دنیا میں اس کا عزت سے رہنا مشکل ہوگا۔

"upon themselves, for the furtherance of secondary and
"higher education in the community. A resolution
"asking for an additional cess being levied on them by the
"Government on all public revenues derived from them,
"whether it be land revenue, customs, octroi, house-tax, or
"income-tax, would be a practical earnest of their desire to
"try to utilize all their resources and would take away the
"sting of charity from any request for their being supple-
"mented, in case they proved inadequate. Before any
"definite proposals, however, on these lines are made, there
"will doubtless be an investigation of the statistics of
"revenue, etc., but at present I can think of no more fruit-
"ful remedy than the one I have suggested, for meeting
"the special problems of Muhammadan education."

Commissions of Enquiry.

Gentlemen, I have not now the time nor would it be right for me to enter into a discussion of the questions which are engaging the attention of the many expert commissions at present sitting in India. From the few hours, it was my privilege to pass with some of the members of the Commission, charged with an investigation into the affairs of the great University of this City, I am certain that whether or not you and I will feel ourselves able to accept the final results of their deliberations, they will be the outcome of an absolutely sincere desire to promote the intellectual progress of India without any regard to insidious influences or other than purely academic considerations. I am certain that a Commission, presided over by a gentleman of the wide sympathies and deep and catholic culture of Dr. Sadler, will try to find an honest solution to the many difficult problems which are facing us, as regards University education in India; the problem for instance, of how to reconcile the views of those who desire a federal type of University in order that, through its affiliated colleges, higher education might be diffused all over the country and of the advocates of the unitary type, the apostles of intensive culture, who would like and rightly

distinct courses, and the increased provision that has become imperatively necessary for the teaching of these subjects, in institutions largely resorted to by Muhammadan students: these and such other questions of local importance will be fully and fairly handled, I am sure, by the speakers entrusted with placing them before you and I shall not therefore dwell on them. One word, however, I should like to say with regard to the Dacca University, which is being looked forward to, as likely to hold out, especially in its Muhammadan College and its Islamic side of studies, the best opportunity for higher education as yet given to the large body of Musalmans in Eastern Bengal, whose educational advancement, it is now admitted on all hands, was too long neglected. In view of H.E. the Viceroy's recent declaration, there is no doubt that the proposed University will be inaugurated without further delay. But may I submit, gentlemen, that unless special care is taken to provide, in the teaching and governing bodies of the University, for the due representation of the people for whose benefit it has been designed, the very object of the foundation might be ultimately found to have been sacrificed.

In this connection may I repeat what I said last year before the Muhammadan Educational Conference of Southern India :—

"It is with considerable hesitation that I invite attent-
"ion to these special recommendations, for I am strongly
"opposed to that spirit of mendicancy for special favours
"or invidious distinctions, which are so inconsistent with
"the self-respect of a community like ours. It is only owing
"to the fact that the advance of the Muhammadans is bound
"up with the larger interests of India itself, the interests
"both of the Government and of the sister communities,
"that I have decided to refer to these concessions. What
"I should like, however, the Muhammedans to do, is to try
"in this and in other respects to stand on their own legs
"and to come forward to help themselves. For this
"reason, I would commend, for their consideration, the
"advisability and feasibility of voluntarily imposing a tax

the required number of girls made to attend school, the required amount of funds found. With regard to funds it is now, I take it, a settled axiom of public policy that Government is responsible for seeing that no question of finance shall stand in the way of the expansion of Primary Education ; if local funds are insufficient they must be made sufficient by adding to them, if it is possible, from local resources, and if not from Provincial and Imperial funds. What, therefore, is necessary is, that there should be an adequate and informed demand on our part for the extension of education amongst women, and definite and sufficient measures, taken by the Government, to meet that demand in every respect.

LIBRARIES.

Take again the question of Libraries. I am as strongly convinced as before of the great part they must play in the diffusion of higher education among our masses, especially if the libraries are of books and papers in the vernaculars of the people ; for they are really the self-teaching High Schools, Colleges, Universities of those men and women, to whom our Primary Schools have given an adequate knowledge of their vernacular but to whom, owing to poverty or the force of social custom, is denied the advantage of academic life. A sound library system—a close net-work of well-regulated libraries, I consider as essential for our future intellectual development, as a sound school system with a close network of efficient schools.

LOCAL QUESTIONS.

The adequate representation of Musalman interests on the Senate and the Syndicate of the Calcutta University ; the provision of hostel accommodation for the fifteen hundred Musalman students from the Mofussil, now left to take care of themselves amidst the snares and temptations of Calcutta life; the revision of the different courses of University studies in the light of the Musalman situation, especially the division of the existing combined Persian and Arabic course into two

Rs. 8 a month. I, therefore, wish every success to the Sultania College and to its zealous organiser, the young prince, worthy son of a noble mother—whose name is associated with all that is good and great in Feudatory India-Prince Hamidullah Khan, the son of Her Highness Lady Sultan Jehan Begum of Bhopal and pray that educational institutions on a similar basis of self-sacrifice may soon be dotted all over the land.

EDUCATION OF GIRLS.

It would be impossible for me, ladies and gentlemen, and it would only weary your patience, if I were to attempt to traverse the whole field of Muhammadan Education, especially as I have expressed my views with regard to several questions only recently in the course of the last two or three years, first before the Hyderabad Educational Conference and last year before the Muhammadan Educational Conference of Southern India. My silence, however, should not on any account be taken to mean any weakening of those views nor my attaching any lesser importance to them than to those upon which I have touched to-day. I am as firmly convinced as ever that the education of girls is as important as that of boys, nay, in more senses than one, more important, for if you have educated your girls you will have taken *the* most effective step in having your boys educated. It has been well said that while the education of a boy helps *him* only, the education of a girl lifts a whole family to a higher stage of mental and moral (and may I add physical) life. In this as in every other problem, I repeat what I have already said in connection with the provision of Urdu teaching and the reform of our Maktabs. We require on the one hand a patient study of facts, a definite programme of work which prescribes a definite period, and marks out the definite stages in every year of that period, in which the goal we desire to attain shall be reached, and on the other hand we also require the organization of an army of workers to study these facts and to see that this programme is definitely followed, the required number of teachers is forth-coming,

Sultania College.

Now I must refer lastly to one great movement, which has sprung up amongst the Muhammadans in the course of the year and which I consider amongst the most hopeful, consecrating, as it does, self-sacrificing service on behalf of higher education. How often have we not wished, gentlemen, for an organization amongst the Musalmans, that might enlist in the cause of our education, the spirit in which Gokhale worked and in which Paranjpye, Shastri and Deodhar are now working? I am glad that the founders of the Sultania College are animated by the same ideals and are trying to set an example, which I wish to see followed by an increasing number of young men in our community. We live too much for ourselves; unless we live and work for others without any regard of self; unless we really believe that service in education is the highest and best service we can render to our country, unless we honour the teacher and measure his worth, not by the superabundance of goods of a material civilization that he can command, but as it used to be in the old days, by the smallness of his wants and the greatness of his life, I cannot hope that much real progress will be achieved. I hear complaints from every side of the inadequacy of the pay of teachers especially in primary schools; do not for one moment think that I am not in the deepest sympathy with the lot of these poor people who have not even a living wage But what I do want to emphasise is this: it lies much more with *you* than with the authorities to make the lot of these teachers better; *you* can give them much more than what the authorities can give, and in a currency, which *you* can but the authorities cannot command. Establish a truer scale of values of worth and honour than mere rupees, annas and pies for those who have taken upon themselves the sacred burden of teaching. That scale is incommensurable for this service, and it is well that the members of the Sultania College are, through, their work in a higher sphere of education, helping to establish the true scale for all workers in the educational field, down to the last struggling village teacher on Rs. 7 or

"largely due to the Hindu mind coming into contact "with Islam".

کبھی کرتے تھے ہم بھی حکمرانی ان ممالک پر

مگر وہ حکمرانی جسکا سکہ جان و دل پر تھا

تمہیں دیکھے بس اس داستان کی یاد ہے اتنی

کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

Reorganisation of Madrassahs.

There is another function, gentlemen, to which I should like to draw your attention, especially as the question of the re-organization of the Madrassah system is, I understand, a particularly pressing one in this Presidency. The Faculty of Oriental learning or Theology in a Vernacular or Communal University might probably bring within its fold and influence those Madrassahs, those Colleges of Oriental Learning which are still organized on the old courses known as the Nizamia, and Schools of Oriental Medicine known as the Unani. Realizing how they render a distinct service in evolving types of scholars and physicians. whom my experience in Hyderabad has taught me to respect as valuable and efficient members of a society that would claim to be catholic, this Faculty, recognizing such institutions, might also in its turn serve to inspire them with greater self-respect, and while helping to develop them make the University itself representative of a complete culture. In this connection there is one suggestion I should like to offer to those who desire to reorganize these Madrassahs. They will probably find valuable guidance in the experience of Moslem States like Hyderabad with its Darul-uloom, the Nizamia College, and the Madrassai Tibbia and of Egypt, the publications of whose Ministry of Instruction, especially with regard to the courses of religious study and I may add Girl's Schools, I consider to be of great value to us Musalmans in India.

to what your distinguished historian of "The Promotion of Learning in India" has recorded, the debt for instance, which Bengali, holding now by the wealth of its literature such a commanding place amongst the Indian Vernaculars, owes to the Musalmans. Mr. Narendra Nath Law observes:—

"The efforts of the rulers of Bengal were not con-"fined to the promotion of Muhammadan learning alone, "for they also directed their fostering care for the "advancement of letters into a new channel, which is of "particular interest to the Bengali--speaking people. It "may seem to them an anomaly that their language "should owe its elevation to a literary status not to "themselves but to the Muhammadans, whose interest "in it was indirectly roused by its connection with "Sanskrit, which formed a most cherished treasure of "the vast Hindu population with whom they had come "into contact. It was the epics, the *Ramayana* and "the *Mahabharatta*, that first attracted the notice of "the Muhammadan rulers of Bengal, at whose instance "they were translated into Bengali the language of their "domicile."

"Examples of Bengali translations of Sanskrit and "Persian books at the instance of Musalman chiefs are "not rare. They served to remove the supercilious "spirit in which Bengali was looked upon by the "Sanskrit-loving Brahmanas and the Hindu Rajas. The "latter imitated the Muhammadan rulers and chiefs in "giving their patronage to Bengali writers, and the "institution of keeping "Bengali court-poets" grew into "a fashion."

Again Mr. P. Chowdhry in his story of Bengali literature remarks:—

"That Bengali literature is popular in its origin and "is largely democratic in its ideas and sentiments is

pride at the architectural splendours of the Moghuls and the Adilshahis, at the political achievements of great rulers like Sher Shah and Akbar, at the fine heroism of noble queens like Chand Sultana and Nur Jahan, at the liberal statesmanship of devoted Ministers like Mahmood Gawan and Abul Fazl, at the wide learning of scholars like Al Beruni and Faizi or at the inspiration of poets like Amir Khusru and Ghalib. It will be a sad day indeed if the minds of Musalmans and Hindus alike are not stirred with the high and noble aims of Viceroys like Mayo and Ripon, of administrators like Munro and Elphinstone, of friends of India like Fawcett and Bright, of Missionaries like Hare and Miller. For all these and many more, whether Hindu, Musalman or Christian loved India and worked for her. When in making my humble contribution to the problems of Indian Social Reform, I took up seventeen years ago the question of Hindu Moslem relations as the problem of problems, the solution of which was a key to all our other problems, I had said

> " I can conceive no nobler work to which an Indian can " consecrate himself than that of cementing the hearts of " the diverse races and nationalities of our vast continent " into a solid and united whole, bound by a union, that is " not merely a superficial one, or that merely enables the " Hindu and the Musalman the Parsi and the Christian, " to regard each other on sufferance, or even with a spec- " ies of benevolent neutrality, but a living and active " union, whereby they come to look upon each other as " brothers working for the cultivation and progress of " their common heritage,"

New School of Indian History.

One of the chief functions of these Universities will be to study and write the History of India afresh, so that each successive wave of workers in this land might get its due meed of praise and thus the study of Indian History might help and not hinder the growth of Indian Nationality.

Then, gentleman, you will have facts brought to light and presented to you in the past history of Indian culture, similar

"To be attached to the sub-division, to love the little
" platoon we belong to in society is the first principle,
" the germ as it were, of public affections. It is the first
" link in the series by which we proceed towards a love to
" our country and to mankind. The interest of that
" portion of social arrangement is a trust in the hands of
" all those who compose it ; and as none but bad men would
" justify it in abuse, none but traitors would barter it
" away for their own personal advantage."

These movements, I consider, make for the fullness of our national life so long as they are kept free from the poisonous taint of sectarianism, leading to jealousy and hatred. I need not remind you how, in the earlier days of this Conference, the idea of a Muhammadan University had filled me with the fear that the already too great emphasis of caste and creed, that has been the bane of our land, might thereby be further accentuated. The new spirit has, however, inspired me with the confidence, that the Hindu and the Moslem Universities will work in a spirit of common understanding, co-operation and love, devoting themselves to the development of all that is finest in their own particular culture, yet ever mindful of the one aim, that the collective tribute, brought by the streams of Hindu, Buddhist, Iranian, Moslem and Christian civilization, to be laid at the feet of our common mother, is made the richer and the more fruitful, so that the message of India to the world might be catholic, universal and all-compelling. It is only if these institutions are worked in this spirit that they will be able to justify themselves. It will not be the growth, but the death of Indian Nationalism, if the Musalmans of India fail to be impressed by the greatness of Asoka and Chandra Gupta, or filled with pride and joy at the immortal frescoes of Ajanta and the sculptured monuments of Ellora, or fail to derive fresh inspiration from the glorious songs of Jayadev and Tukaram, or find food for deep and satisfying thought in the discourses of Sri Krishna and Gautama Budha. It will not be the growth but the death of Indian Nationalism, if the Hindus are not filled with

great experiment in truly national education which His Highness the Nizam has so graciously ordered to be inaugurated with all the illimitable resources of his Dominions—I mean the Osmania University of Hyderabad, where the study of English will be compulsory but only as a language the medium of instruction in all the other subjects up to the highest degree of an Indian University being Urdu. If this experiment succeeds, if it shows on the one hand that the practical knowledge of English is not weakened, whilst on the other the mere memorising of *words* of a foreign tongue gives place to a real assimilation of a knowledge of *things*, I am sure it will be extended to the other languages, to which I have referred, and supply perhaps *the* solution we are all seeking to the problem of National Education, an education that, at no stage of his intellectual career, will cut off the student from his cultural traditions and domestic environment. And then consider what treasures of literature, philosophy and science you are making available for your men and women. Surely the education of our masses does not consist merely in giving them a knowledge of the three Rs., which is all that free and compulsory primary education will provide for, unless you have enshrined, in the vernacular you have taught them, the thoughts and the dreams, the agony and the achievement of the master minds of the world. Without a vernacular University, this will never be accomplished and the masses of your men and women will not have the means of culture they have a right to demand of you.

Communal Universities.

Do not, I pray you, regard this movement or movements of this kind as in any way separatist or provincial or sectarian. They are based upon the first principles of national self-respect, reverence and respect for your cultural traditions which are not the insidious enemies but the strongest supporters of a national evolution. Does not the greatest political philosopher that England has produced, the elimination of a study of whose writings from our University curricula in recent years I consider most unfortunate,—does not Edmund Burke say:—

eloquently you may press them on the Government. The organisation of such an army requires the most careful and the most patient elaboration of detail, but all the same it must be undertaken forthwith by each provincial and district committee of this Conference. And let me assure those that will enrol themselves in this army that for them will be an abiding reward even now and here; for the training they will get in social service will be of incalculable help to them even in their vocational not to say municipal and public life. The India of the future is for the workers and not the talkers. If this army devotes itself to a solution of the problem of primary education amongst the Moslems, on the lines I have adumbrated above, I have no doubt that at no distant date every Moslem child will have acquired an adequate knowledge of at least one language.

VERNACULAR UNIVERSITIES: OSMANIA UNIVERSITY.

But are you, gentlemen, going to rest content with this position of Urdu as a vernacular in the primary stages of instruction? As my first-hand acquaintance with the problems of education in India is growing, I am coming more and more strongly to the conclusion that no language is worthy of being associated with the tenderest period of our life, no language is worthy of being called our mother-tongue, no language is worthy of continued life unless we consider it capable and worthy of being made an instrument of the highest culture, of the deepest emotion, of the sublimest imagination. Unless you believe that Urdu is such a language and have vowed to yourselves to make it such, it must cease to exist and will rightly deserve that fate. And I say this not only for Urdu, but with regard to all the great Prakrit and Dravidian Vernaculars that claim their votaries in this land by the million and have an imperishable heritage of glorious literature. It is for this reason that I ask, not only the people assembled in this Conference, not only those whose mother-tongue is Urdu, but all those whose mother-tongue is any one of these languages, to enthusiastically welcome and support that

"charge of Burmese Deputy Inspectors. In Rangoon "there are Indian Muhammadans taking Burmese as an "additional vernacular and Zerbadi Muhammadans taking "Burmese as their mother-tongue with Urdu as a second "vernacular. Much misunderstanding has arisen from "a confusion between Muhammadan schools and Urdu "schools, Burmese Muhammadans and Urdu-speaking "Muhammadans. The Karen has not found the bilingual "problem insoluble and there is no reason why the "Muhammadan should fail to surmount the obstacles, "which beset the path of educational progress."

Army of Workers Required.

But is it sufficient gentlemen, to merely make this demand at Conferences like this? How are you going to make this demand effective? In this, as in all other worthy aims, by Work and Service. Have we not hundreds and thousands of Maktabs all over India on which a carefully considered and adequate primary curriculum it is possible to impose by the public opinion of our community? Most of these are maintained from the charitable bequests of pious founders, whose wishes, that the children of Musalmans should be freed from the darkness of illiteracy, it is our duty to see respected. Is it not necessary that this Conference should organise a band of workers, a band not merely of people *meeting* together occasionally at some centre in India or at the Head Quarters of a Province or even of a district, but of scouts in every town and workers in every village area definitely chalked out, who should study carefully and accurately the requirements of the Moslem population in their area and try to practically help them in the solution of their difficulties, by their advice, co-operation and if need be, agitation? Unless and until you have such an army of quiet and strenuous workers, spread all over the nooks and corners of this land, acquainted first-hand with your actual problems and having experience in handling them, you will not have made much progress in your fight against ignorance, whatever be the number of resolutions you pass and however

lower classes, mere hewers of wood and drawers of water, a community able to make its contribution to the common culture of the land they love, with a love not less deep than that which animates their brethren and sisters of other faiths. Let me make it clear, gentlemen, that I do not wish to say that the local languages should not be learned. There was a time when their study might perhaps have been unnecessary but, whether through mistaken policy or short-sighted communal jealousies, the time has now gone by, when Hindu and Musalman and Englishman could have united in making Urdu the *lingua franca* of India and thereby facilitated and hastened our national evolution—Urdu, a child of Hindu-Moslem union, owning the Hindu Prakrit as its mother, nourished by Arabic and Persian and brought to the full vigour of manhood by English statesmanship. Now a knowledge of the local vernaculars on the part of the Musalmans is essential in many places for purposes of daily intercourse and business, and this load he must take upon himself cheerfully, to preserve the privilege of belonging to a Moslem minority.

In the quinquennial report on the progress of Education in Burma which has been just handed to us, I find the following remarks on Mahomedan education which verify what I have been here contending—the strength on the one hand of Moslem feeling everywhere for a provision for Urdu teaching, whether as first or as second language and the possibility on the other hand of satisfying this feeling without prejudice to the teaching of the local vernacular.

> "Both languages" the report says, "Urdu and "Burmese can be taught, but which shall take first place "depends entirely on the locality. Certain schools "have already applied that solution. In Upper Burma "especially in Kyaukse and Yamathin Districts, "there are Burmese Muhammadans, many of them "descendents of Indian mercenary troops employed "by the Burmese kings, who take the ordinary curri-"culum of Burmese vernacular schools with Urdu suffic-"ient for religious purposes. These schools are in

Hindu brethren. The problem is still further complicated by the fact that in some provinces the prevalent vernacular is Dravidian and therefore not structurally allied to Urdu, as it is in the case of the Prakritic Gujarati and Mahrathi. In all these places alike, however, I am struck by the fact, disclosed by the educational reports of the different provinces of India, that Musalmans demand Urdu teaching in some form or other. The reasons for this are not far to seek. The Musalmans like, I presume, all other communities of this holy land, still consider religion to be a vital necessity, to be taught to their children first and foremost, and as the *Quran* is in the Arabic script, which is the same as the Urdu script, and most of the elementary books on Moslem religion and morals are also in the Urdu language, the teaching of Urdu has come to be associated, in the minds of the Musalmans, with a provision for a certain amount of religious teaching, especially in the provinces I am considering. And then there is the fact that Urdu has come to be regarded as the binding force, without which at least the more remote and discrete units of the Moslem minority would soon be dissolved into the common mass.

I think I may, therefore, say without fear of contradiction that the Musalmans of India demand a provision for Urdu teaching in every school and this demand should be satisfied if there is an honest and genuine intention of spreading education amongst them. Remember, I say, a provision for the teaching of Urdu, not teaching *through* the medium of Urdu *i.e.*, a provision for Urdu as first or second language in the primary stages, and not everywhere as the first language, or the medium of instruction. It may be objected that this will be an additional burden on the Musalman students, already much weighted in the race of progress, but my reply is that this is the price that the Musalmans have to pay for being in a minority, and is a price they are readily prepared to pay, knowing full well that thereby they will get what is more precious to them than life, their birth right, their right to exist as a self-respecting community side by side with the other communities of India, without the fear of being depressed into the

a self-made man here and there may distinguish himself in public life, it is impossible in these days of keen competition, for our community to hold its own with the other communities of India and the world, if we do not take care that our youth get the same higher intellectual training as they do. As Lord Haldane, one of the greatest authorities on the subject of education, speaking at a public meeting not long ago, urged, the highest education in the country should be open to the children of the poor as well as of the rich, because, he said, genius is as often found among the humble as among the wealthy, and that no nation could afford to neglect the talents which are to be found among its children.

Musalmans and Urdu.

There is one feature of the experience of all provinces to popularise education among Muhammadans to which, gentlemen, I would like to draw your attention. There seems to be a parallelism between an increase in the provision for the diffusion of a knowledge of Urdu and an increase in the diffusion of literacy amongst the Musalmans of India, and this leads me to the question of the position of the Urdu language and the Moslem community. The question has received much earnest and anxious consideration at the hands of educationists, Musalmans and others, and yet owing to its complexity the Government in different provinces does not appear to have arrived as yet at a definite and settled policy in this regard. Where Urdu is the mother tongue of a majority of the population or of a considerable minority, the problem does not arise. Nor does it appear to present any difficulty in places like the Punjab, where the Musalmans are in a majority and have come to regard Urdu as their School Vernacular. Difficulties arise where Musalmans are in a minority, and that too comparatively a small minority as in Bombay and Madras, where the prevalent vernacular is not Urdu. The question becomes complicated when in many of the places, there are not only Musalmans whose mother tongue is Urdu, whether known locally as Hindustani or Musalmani, but there are also Moslem communities whose mother-tongue is the same as that of their

Depressing as these totals are, gentlemen, an analysis of them, according to the several stages of education, is still more depressing. Only 6,000 of our scholars are in Colleges, only a little over 2,00,000 in secondary schools. The bulk of them were in primary schools, the number in primary schools being nearly 12,40,000. I am afraid that the large majority of even the scholars in primary schools will be found, if the matter is looked into, not to have passed beyond the elementary or lower primary stage. The Musalmans form more than one-fifth of the population of British India, but the proportion of Muhammadans to the total number of scholars receiving a collegiate education was less than one-ninth, and in secondary schools less than one-fifth.

It is worth noting, however, that more than 50 per cent of the students attending special institutions were Muhammadans. The point is of great significance, so I give here the actual figures. In the professional and technical schools, which impart what is officially classed as Special Education, there were on the last day of March 1916, 1,61,308 scholars of all communities. Of these no less than 87,170 were Muhammadans. The significance of these figures seems to be that as regards secondary education, we suffer from the want of a sufficient number of schools and the progressively higher fees charged. Its importance to us, gentlemen, is even greater than its importance to other communities. A large proportion of our youth do not at present pursue their education to the University stage. They leave off at the secondary stage and resort to Special schools to train themselves for entering a vocation. It follows that every measure which is calculated to improve the standard of secondary education, and to bring it within easy reach of all classes, is likely to benefit proportionately more of our young men than the young men of other communities, more particularly those for whom our Universities and Colleges have a greater attraction. Speaking as a University man, I cannot but regret that our young men have not availed themselves of the immense benefits of University education to a much larger extent than they have yet done. Although

compilation of the statistics on education in British India, the number of Muhammadan boys in the educational institutions, public and private, on the 31st March 1916, was in round numbers, 15,00,000, and that of girls, 2,75,000, as against 13,50,000 and 2,20,000 in 1912. The progress, more especially, in the number of girls under instruction, is satisfactory, but is not such as one could grow enthusiastic over it. The Muhammadan population of British India numbers 57½ millions, and taking the figures of male and female scholars together, the proportion of children at school to children of school-going age falls very far short even of the conventional proportion of 15 per cent. But there are strong reasons to believe that in India, at any rate, the conventional percentage is much less than the actual percentage of children of school-age to the total population. That excellent periodical, published in your city, the *Modern Review*, quoted in a recent issue, a passage from the Travancore Administration report, showing that the usual proportion of 15 per cent is a gross under-estimate of children of school-going age.

> "It will be seen," it was observed in the report, "that the percentage of pupils under instruction in the "Talukas noted, was more than 100. This apparent "absurdity is due to the adoption, arbitrarily as else-"where, of 15 per cent of the population as approximately "representing the number of children of school-going "age."

The report goes on to give the percentage of pupils under instruction, taking the number of children of school-going age at 25 per cent of the population. Having regard to the fact of the high birth-rate in India, it seems to be reasonable to take the population of school-age as representing a higher proportion than 15 per cent to the total population. If this is done, it will be seen that the backwardness, great as it is, of the Muhammadan community in the matter of the education of its children, is really much greater than it is generally assumed to be.

Study of facts needed.

In dealing with the problems of Musalman education, I am at once confronted with the serious difficulty that no exhaustive and accurate survey of statistics in this regard is at present obtainable. Had your invitation been earlier I might have perhaps attempted to meet this want or at any rate tried to ascertain first, how far Musalmans in the different provinces have advanced absolutely in the different stages of instruction and in the various branches of special and professional education, and secondly, what the rate of progress has been relatively as compared with that of other communities. This would have enabled us to determine whether really the distance of illiteracy between them and us has been increasing or decreasing, whether or not we are coming up nearer and nearer to the educational level of our compatriots of other communities, and fitting ourselves to bear an equal burden in guiding and controlling the destinies of our common land. I cannot insist too strongly upon the paramount necessity of an exhaustive and accurate study of facts, of regular publications of this kind by this Conference, for unless we know exactly where we are, the length of the way we have to travel, it is not possible for us to find out what problems demand our attention, what remedies have any chance of success, what measures must be taken to reach our goal. For such a work, gentlemen, it is necessary that a number of students should be kept engaged, each of whom should devote himself to a careful study of one branch of enquiry specifically marked out for him. There will be no excuse in future for the absence of surveys of this kind, now that our Conference has been placed on a permanent footing through the munificence of that prince, to whom all India and especially Moslem India, is so much indebted, whether on account of what he has done for education or for the alleviation of human suffering, His Highness the Nizam.

A Few Statistics.

A few statistics, however, that I have been able to collect tell the following tale. According to the latest annual

based as they always were upon an intimate knowedge of the old learning and the new, a knowledge applied too with a fearless downrightness, which appeared at first sight narrow and intellectualist, but which, when further examined, revealed a wide range of imagination and sympathy. His rigorously simple life, led dervesh-like, with the set purpose of serving the cause so near to his heart, of the education of women, as the one means of national salvation, is a heritage of priceless value to us, who are now getting poorer and poorer in such examples.

There is one more loss which I should like to name, of one not perhaps known in this part of the country, no longer known widely to the newer generation even of the province where he had worked for the greater part of his life, of one who was none the less identified with all that was great and noble in Indian education at an important period of its history—the days of Lord Ripon and the Education Commission. Principal Wordsworth of the Elphinstone College in Bombay wielded an influence, to which we owe many of the most progressive and beneficent movements of the present day, through the remarkable hold he had on men like Telang and Gokhale and several of those, who have made the enterprises of Jamshedji Nasserwanji Tata, a synonym for a combination of the greatest financial success with the most elevated patriotism. Had there been a continuance of Europeans in the educational service of India, of the intellectual and moral calibre of Principal Wordsworth, men commanding respect by their eminent attainments, and love by their deep and real sympathy with the hopes and aspirations of young India, men who looked upon themselves not as mere officials, members of a particular service, but as true teachers and leaders, always ready to help all progressive movements in the country—had we had a continuance of men who were to us, at the most impressionable period of our lives, living examples of large hearted Englishmen, battling for freedom and expansiveness of life, that dark and tragic chapter in the history of Young India, which we should all labour earnestly to end as soon as possible, might never have been written.

'Muhammadans and Hindus were', he said, 'the two
' eyes of India. Injure the one and you injure the other.
' We should try to become one in heart and soul and
' act in unison; if united, we can support each other,
' if not the effect of one against the other will tend
' to the destruction and downfall of both.'

" He appreciated when he found worth and freely
" expressed it. He said :—

' I assure you that the Bengalees are the only
' people in our country whom we can properly be
' proud of, and it is only due to them that knowledge,
' liberty and patriotism have progressed in our
' country. I can truly say that they are really the
' head and crown of all the communities of Hinduism.
' In the word ' nation ' I include both Hindus and Mu-
' hammadans, because that is the only meaning which
' I can attach to it.'

" Such was the wise and patriotic counsel of that
" great man, and our Muhammadan friends will, I hope,
" take it to heart."

Gentlemen, let us indeed take to heart and never forget these noble words of the greatest Muhammadan leader of Modern India, cited and endorsed by another of her most illustrious sons. The generous tribute to the Bengalee people, paid by Sir Syed Ahmad, shows how prophetic was his instinct as an Indian Nationalist.

And next, what tribute of mine will be adequate to that great servant, who has departed from the ranks of the Musalmans of India, already so poor in men—real men—strong, honest, self-sacrificing and sincere. My friendship with Moulana Syed Karamat Hussain I regard as one of the privileges of my life and his loss as amongst the greatest that have befallen our community in recent years. Would that he had lived yet longer and helped us with his counsels,

land: first in character and first in achievement, the mention of his name in an educational gathering is no less apposite than in a national and political assemly. I can never forget that short grey-bearded gentleman in red silk trousers, whom we used to meet as schoolboys, taking his constitutional in the Chowpaty gardens and who was known to us as "Dadabhoy *Master*." He was a born teacher and a teacher he remained to the last day of his life: a professor of Mathematics in the early years of his career, he came eventually to be the real founder of Indian nationalism in its truest sense, a nationalism based on love—not hatred, on cosmopolitan sympathies—not sectarian selfishness. Where shall we again find another leader of the same honest independence, the same transparent sincerity, the same serene sweetness and withal the same stern inflexibility? Speaking of him I feel I cannot allow to pass an occasion like this, without a reference to the interesting account of his first meeting the illustrious founder of our Conference, Sir Syed Ahmad, an account which he gave in his historic Presidential address to the National Congress in this very City eleven years ago.

"Sir Syed Ahmad," Mr. Naorozji said, "was a national-
"ist to the backbone. I will mention an incident that
"happened to myself with him. On his visit to England,
"we happened to meet together in the house of Sir
"C. Wingfield. He and his friends were waiting, and I
"was shown into the same room. One of his friends
"recognising me introduced me to him. As soon as he
"heard my name, he at once held me in strong embrace
"and expressed himself very much pleased. In various
"ways, I knew that his heart was in the welfare of all
"India as one nation. He was a large and liberal-
"minded patriot. When I read his life sometime ago,
"I was inspired with respect and admiration for him.
"As I cannot find my copy of his life, I take the op-
"portunity of repeating some of his utterances, which
"Sir Henry Cotton has given in *India* of 12th October
"last."

educational world, the *entente cordiale* of the two great communities, whose even advance and mutual co-operation are absolutely essential for the progress of the country as a whole. As it is, however, your choice has fallen on me and I bow to your decision, relying upon your well-known courtesy and indulgence, and feel confident that you will forgive my shortcomings, considering the strength of my sincerity and desire to render, to the uttermost of my power, what little service I can to my community and my country.

We meet to-day, gentlemen, at a momentous juncture when India is passing, along with the rest of the world, through one of the greatest crises in its history, when all the old measures of evaluation of morals and ideals are being subjected to a searching verification, when our hearts are being wrung by the shrieks of slaughtered mankind and yet our hopes are high that a new heaven and a new earth will emerge for the children of men out of the desolation and misery and sorrow through which we are now passing. One of the most remarkable phenomena of this period is the greatly increased attention which is being paid in all countries to educational problems, as the result of the conviction that only the best educated nations have a chance of successfully confronting the manifold difficulties, which the world will inherit as a legacy from this devastating war. We in India cannot afford to lag behind in the educational race. We, and more especially the Muhammadans of India, are, as it is, far behind the nations of the West in the matter of education, and further lethargy on our part would lead to national disaster.

In Memoriam.

Gentlemen, during the last twelvemonth we have lost many a valued friend whose counsel and guidance would have been an unfailing source of inspiration to us at the present moment. First and foremost, I would mention the saintly Dadabhai Naorozji, who had consecrated in a truly religious sense his varied gifts to the service of the mother-

بســم الله الرحمن الرحــيم

LADIES AND GENTLEMEN,

My first duty on this occasion is to offer you my most grateful and heart-felt thanks for calling me to the chair of the Thirty-first Session of the All-India Muhammadan Educational Conference. Contact with educational problems for almost thirty years, a contact that has been of late specially close owing to my connection with the Educational Secretariat of Hyderabad, has more and more deeply impressed upon my mind the necessity of Education in this country, as the one and all essential factor in its national progress, and the conviction has been steadily growing all these years, that any service that might lead to lessen the darkness of ignorance and illiteracy is the greatest and the noblest that India's sons can render to her. I consider, therefore, your kind invitation to preside over this assembly of representative Musalmans, gathered together from all parts of India to discuss their educational problems, as the highest honour that can fall to my share, and I again tender to you my deepest thanks.

When I look back, however, gentlemen, on the long roll of illustrious men, who have adorned the presidential chair in the past, I confess I feel it was a rash enterprise on my part to have accepted at a very late hour the responsibilities of such a high office. I sincerely wish that it had been possible for our talented countryman, Sir Ashutosh Mukerji, to have presided over our deliberations this year. A man of wide culture, a profound scholar, a tried educationist, who has virtually moulded the destinies of higher education in Bengal for about a quarter of a century, he would have been able to take a detached view of our educational problems and to give us the benefit of his valuable advice. And what is more, his Chairmanship would have marked, in the

31st All-India Muhammadan Educational Conference, Calcutta.

Presidential Address

BY

M. A. N. HYDARI, Esq., B.A.,

of the Indian Finance Department,
Fellow of the Universities of Bombay and Madras,

Secretary to His Highness the Nizam's Government, Judicial, Police and General Departments.



HYDERABAD-DECCAN
PRINTED AT THE CENTRAL JAIL PRESS

1917

The realization of these ideals is possible through one and one way alone—Right Education. Illiteracy has now come to mean not only ignorance but an evil, which carries with it loss of prosperity loss of manners, and morals, nay loss of manhood itself. Let us all, therefore, take a vow to fight the demon of ignorance with every weapon at our command and to spread the light of learning in every corner of this vast continent, of which we are proud to own ourselves the sons.



come after this war, we shall find that this response has not been made in vain.

I would ask you also to bear in mind that the Government can achieve complete success in its work of securing the happiness of the people, only when all the different communities are welded together by common ties of affection and brotherhood and when, giving up their petty quarrels they have learnt to concentrate their energies, in co-operation with one another, on the great and noble task of raising their mother-land to a positino of self-respect amongst the countries of the world. Is it possible that we children of the same mother, nourished by the same earth, breathing the same air, can live happy and prosperous, nay live at all, if we fight amongst ourselves? The salvation of our country, our very existence depends upon the suppression of these rivalries and the union of us all into a common people united with one heart, working towards a common goal. It is a matter of peculiar pleasure to me to see, and I congratulate you upon the fact, that there is no Hindu-Mahomedan problem within your borders and that the traditional feeling of the two great communities of India to each other in this Presidency is one of brotherliness and co-operation. May it not be that the relatively high position of the Mahomedans in the statistics of Education here is due to this fact? It is my prayer that this feeling may continue and shape their intercourse and mould their aspirations for all time to come for the good and glory of our motherland.

the Government, and on the other a feeling of affectionate brotherhood towards the other communities with whom they live side by side. No human system of government can ever be perfect, and whatever shortcomings there might be in British rule in India, let us never forget the inestimable benefits conferred by the justice and purity of its administration, and the diffusion of light and learning among all classes of the people that has followed in its wake. Let there be therefore a complete trust on our part in the Government of our country, and should ever anything happen, likely to endanger that trust, let us remember the peculiar difficulties that beset its path on account of a small minority having to govern a population composed of different creeds with different ideals and in varying stages of progress, and putting ourselves in their place, let us ask whether we in the past have done better or would have done better if placed under similar conditions. At the same time, it should not be forgotten what great and incalculable harm might be done if there was a feeling amongst the population that they were distrusted. For distrust begets distrust. Musalmans have given ample proof of their loyalty and devotion in the past, and I should like to dwell especially on the noble response that they have lately in common with the other communities, made to the call of civic duty, notwithstanding the pressure, heavy and unforeseen, to which they have been subjected by a course of events, on which it is not necessary for me to dwell here. I have no doubt that in the inevitable readjustments that will

amongst you. In this trading and commercial centre like Vaniyambadi I trust that the attention that I have drawn to this movement will not have been in vain.

TECHNICAL EDUCATION.

You will be surprised that I have not said so far any word about technical or commercial or industrial education. My silence has been deliberate. In the first place, it does not appear that this education has any special problems for Mahomedans as distinguished from other communities; secondly, a strong Commission is at present investigating the problems connected with it in all their bearings and it would be impertinent on my part, even if I was qualified, to give expression to any views on the subject. All I would ask you is to see that the spread of literacy amongst you does not mean any weakening of the commercial and trading spirit to which the Mahomedans of the South owe whatever strength they have. I am glad to note that the Vaniyambadi High School has Commercial courses in its curriculum. I would ask the traders and commercial men around me to give their helping hand in a way that will be more effectual than any education or subscription and that is to take up as apprentices and try to start on business young promising active Mahomedan boys that may come out of your schools.

CONCLUSION.

The position of the Musalmans in India is one of peculiar delicacy and difficulty. It requires on the one hand a spirit of enthusiastic loyalty towards

of sugar into a huge concern with shops and factories and libraries and meeting halls of its own, and must have longed like me for an extension of the movement to India for relieving the indebtedness of her vast ryot populatian. Well, these hopes are now being realized. The Co-operative movement is extending by leaps and bounds throughout India. In my own State, His Highness' Government have recently been fortunate in acquiring the services of an officer from the Punjab, who, I am sure will be able to extend the movement in the Hyderabad State in the way in which it has been spread all over the Punjab. The other day I put to him the question whether he had anything to show in the Punjab similar to the work of the Rochdale Pioneers and he gave me a most interesting account of a Society which was founded in the Jalandhar District in 1906 with a capital of Rs. 11 furnished by 11 poor *Ariens* (gardeners). This society three years later, in 1909, had a capital of Rs. 13,000 and in 1913 of three lakhs. Though its members could not borrow ten years ago even at the rate of cent per cent. they have now a cash credit of Rs. 30,000 with the Bank of Bengal and were able to obtain only the other day an advance from the Government of Rs. 20,000 at six per cent. The moving spirit of this society is one Hafiz Nur Mahomed a young Maulavi only 33 years of age. I wish that just as you have for Education amongst the Musalmans a Quraishi at Vaniyambadi, a Yakub Hasan in Madras and a Kalami for Mysore, you may have a Hafiz Nur Mahomed for Co-operation

"needs. But she has not adopted Western dress
"Western habits of life, Western architecture or,
"Western Religion since the introduction of any of
"those would have diminished instead of augment-
"ing her force". With regard to dress he says:
"Foreign Civil dress has been adopted by the
"Japanese official world but only to be worn during
"office hours in buildings of Western construction
"furnished with modern desks, chairs, &c." "A
"highly educated Japanese once actually observed
"to a friend of mine: 'We have been temporarily
"adopting Western dress only as certain animals
"take on particular colors at particular seasons
"for protective reasons'."

Co-operation.

I now come to refer to a movement which although not ostensibly connected with education is in effect most intimately connected with it and is one upon the success of which the progress of our country will in my opinion ultimately depend. It is a movement which was outlined years ago in my own Presidency by Sir David Wedderburn, but the credit for making it a living problem belongs to your Presidency, to Sir Frederick Nicholson whose classic report has now happily been made again available for us, I mean Co-operation. All of you who have been students of political economy must have been fired as I was 30 years ago when reading of the work of Raiffeisen and the development of the Rochdale Pioneers from a society with a capital just sufficient to buy a chest of tea and a hogshead

mans? Is it not that one of the most powerful causes operating in favour of the enthusiastic affection that we Indians have towards the English is our knowledge of their wonderful literature, and the influence that Shakespeare and Bacon, Burke and Browning have had on us in the most impressionable period of our lives? My reason for emphasizing this question of languages is that I want the Mahomedans to be true to themselves, true to their religion, and true to their country, taking a legitimate pride in the greatness and the purity of both and co-operating with their co-religionists and with the followers of other faiths in obtaining for her an honourable place in the comity of nations.

In this connection, I trust you will not consider it out of place if I were to ask you to weigh well the necessity of checking any tendency of an undue gravitation towards Western manners and modes of life. It appears to me that their entrance in many of the strata of our society is leading us to less economic habits and this in spite of the fact that the one great thing necessary for Musalmans is to become really economic units of society. Remember what Lafcadio Hearn says in his illuminating book "Out of the East" about Japan: "What she has "done and is doing would require volumes even to "mention; suffice it to say that she has selected and "adopted the best of everything represented by our "industries, by our applied science, by our econo-"mic, financial and legal experience, availing herself "in every case of the highest results only and inva-"riably shaping her acquisition to meet her own

from Peshawar to Cape Comorin. It must not at the same time be forgotten that Urdu is an Aryan language and really symbolizes the union of Hindus and Musalmans whom accident has thrown together in a common land engaged side by side for centuries in common pursuits and swayed by common interests.

Here I must raise one note of warning lest our enthusiasm for Urdu lead us astray by making us neglect the importance of possessing a thorough knowledge of local vernaculars. I am glad to find that the authorities responsible for the management of the Vaniyambadi High School have realized this danger and enforced their teaching, I can conceive of no greater calamity to the Mahomedans here than that they should remain ignorant of the vernacular of the place in which they have spent their lives, and thus estrange themselves from the neighbours with whom they must come in daily contact in social intercourse and in business. Nothing do I deprecate more than the association of any vernacular with any particular faith. Are not the points of cleavage between the different communities in India already too many in all conscience for another to be added, so potent in creating bitterness? Consider what a tremendous accession of sympathy with us on the part of the Hindus would be caused by a Musalman Tamil or Telugu writer whose songs had the vogue in Southern India that for instance Sir Rabindranath Tagore's songs have in Bengal. Would it not alter very materially the whole attitude of the Hindus towards the Musal-

the language, and in any case, it will equip him with a correct understanding of the great ethical passages which are the current coin in every Mahomedan assembly, and will enable him to remain true to that culture which has made a special contribution to the common civilization of India and thus make him acceptable to the Musalman masses whom it must be the desire of every educated Mahomedan to influence aright. It is a very small amount of time that is being asked for and yet the cumulative effect of it at the end of the many years spent in school and even college, will be to make him acquainted with one of the classical languages of the world.

In the days gone by, before the advent of the English, the Mahomedans of Madras were noted in the Deccan for their proficiency in Persian, and when Persian ceased to be the official language, they turned their eyes towards a language in the development of the literature of which they had played a not unimportant part in the past. One of the earlier forms of Urdu as spoken to-day originated in the Deccan and was known by the name of "Dakhanee". Several great and distinguished writers at that time composed their works in that language and they were inhabitants of the Deccan. The Urdu of to-day too is taking an increasing hold on the Mahomedans of Southern India leading everywhere to a demand for Urdu teaching and Urdu teachers and this, I think, is due to the fact that Urdu has gradually become the common language ensuring a common bond amongst the Mohamedans scattered over the different parts of the peninsula from Karachi to Rangoon, and

understood that the Nastaliq calligraphy will in any way be given up. It will still continue to be used in cursory writing which in Urdu as in all other languages must be different from the printed script and thus will continue to be a monument of our artistic taste. I would appeal to the Mahomedans of South India to encourage this movement if they want to have cheap Urdu books which throw the least strain on the children's eye in reading Urdu and the Koran, and if they desire to give Urdu all the advantages that modern mechanical contrivances such as the typewriter and the monotype give to the scripts of other languages.

Language.

I now come to a suggestion, of the utility and the practicability of which I am getting more and more convinced day by day, and that is, that just exactly as in all Missionary schools half an hour is devoted to the study of the Bible, just as in Hindu institutions half an hour is devoted to the study of the Gita, Arabic in which our religion has been enshrined and which has moulded the standard of our taste, should be studied for half an hour every day in every Islamic School from the lowest standard to the highest. I have been informed by those competent to form an opinion on the subject that with a right method (such as has been adopted in the grammar prepared by Principal Hamid-ud-deen of the Hyderabad Darul Ulum), the results of such a study will be to give a student by the time he finishes his education, a fair practical knowledge of

TYPE.

I would now invite attention to a matter which although not new, yet has not of late years engaged our attention to the extent that in my opinion its importance deserves. Amongst the many signs of the almost prophetic insight of Sir Syed Ahmed into the basic problems of our intellectual advancement, was the emphasis he laid on converting the printing of Urdu books from a lithographic to a typographic basis. He believed and rightly, that one of the difficulties in the way of the diffusion of Urdu literature was a proper Urdu type, and as in all other things, he lost no time in practically carrying out what he wanted to preach. You know that the Aligarh Institute Gazette which he founded is still printed in type. His magazine which has had so great an effect in reforming the ideas of Moslems "Tahzib-ul-Akhlaq" was printed in type, and all those works of his for the printing of which he was responsible, were in Urdu type. I am glad to say that His Highness the Nizam, to whom the Musalmans of India in all parts of the country are under so many obligations, has added yet another by ordering His Government to undertake a solution of this problem with the resources at their command and they have decided upon giving currency to a beautiful Naskh type, on the ground that it is much better for the eyes and also because it is practically identical with the Arabic script with which every Mahomedan boy is familiar through the reading of the Koran. Moreover, it presents the fewest difficulties to the type founder. It must not thereby be

LIBRARIES.

So far, I have touched upon education as imparted in regular scholastic institutions. I now, come to an instrument of education which in my opinion is equally if not more potent, especially for those who have passed the stage or the age of regular scholastic training. I refer to the establishment of libraries. It will be surprising to know what a small amount—not more perhaps than Rs. 500—is sufficient to provide a library of the best literature available in Urdu and in English. It should be our endeavour to make every elementary school a nucleus of primary education for our children and of culture to their parents. How many instances there are of men who with the slender foundation of the teaching they had received in a primary school have, by means of libraries, built up for themselves a culture that has made them great and good men, more educated in the real sense of the term than many a holder of high university degrees.

In this connection, may I venture to give a small practical hint which if followed will, I believe, be a great help towards the gradual establishment of small but efficient libraries all over your presidency. Cannot the members of our community on occasions of festivities such as those of marriage, try to perpetuate the occasion by the gift of small libraries to their localities and thus provide a source of pleasure and profit to their own and succeeding generations?

"our duty to regard a woman,—not merely as a
"woman, the helpmate of man, the mother of children,
"the worker, perhaps driven by hard necessity to self-
"support—but as a *human being*, with the same
"rights as other human beings. We all believe that
"a young man, whether rich or poor, whether intend-
"ed for a profession or not, has imposed upon him
"the noble and sacred duty of cultivating to the
"utmost perfection those gifts of the intellect with
"which nature has endowed him, so that he may
"approach as nearly as may be to the ideal of
"humanity. Now, I ask, what right have we, men,
"to release a girl from this noble and sacred duty?
"Why, on the contrary, should we render the fulfil-
"ment of it difficult, if not impossible for her?
"Is it not as if we lopped the topmost part of a
"beautiful tree which was striving towards the
"sunlight? Are we not binding down in chains of
"spiritual slavery a large part of the human race?
"Are we not cruelly withholding from woman
"the noblest, highest good—the possession of spiritual
"freedom? * * * * "Let us now begin to pay
"the debt of centuries. To the grace and personal
"charm of women let us add the charm of a trained
"intelligence, let us remove the bandage from their
"eyes and lead them to the fountain of knowledge,
"that they, too, may have their share in the gather-
"ed wisdom of ages, that they may despise empty
"frivolity aud idle chatter and may learn to know
"the highest and the most inspiring of all human
"pleasures—joys of mental achievements."

so much is due, and who has invited a public discussion of a curriculum for girls published by her—an invitation which I am sorry to say has not met with sufficient response. I trust this Conference will be able to establish committees in different parts of the province who will consider what curriculum for Mahomedan girls is suitable which will develop their intellect and yet enhance their refinement and grace; how far the scheme of studies for them should be the same as or different from that for boys; whether girls should be encouraged for the University Examinations; what are the best means of obtaining suitable teachers and ensuring increased attendance of girls in schools. In this way, I hope that most of the difficulties that stand in the way of an adequate diffusion of education among our girls will be removed and I trust that in these efforts they will be helped by those educated ladies belonging to our community who, I am sure, are ever ready to work for their less fortunate sisters. In this connection may I venture upon a suggestion? I see so many earnest young faces around me. Is it too much to ask each one of them to take a vow to himself that he will see that at least one person of the other sex, whether it be his wife, or daughter or sister is educated. Let me assure him that he will thereby be laying to himself a source of true and pure happiness in the home to which nothing can compare and at the same time add to the economic, intellectual and moral strength of his community. Before I close this subject I would like to draw your attention to what Dr. Lungen of Frankfort says :— " It is

to ask with regard to these girls, and that is, how many of them are receiving an education which will ensure the continuance of their interest in reading when they leave school and after they become involved in domestic affairs. I would in this connection like to read out to you the impressive words of Dr. Waetchzolt quoted in the Special Educational Studies of the English Board of Education in the volume on German education:—"Let us not "forget that the most pressing necessity is not "found in universities for women, nor in the partici-"pation of women in the scientific labours of the time, "nor in the opening of higher professions for "women but in the great and extensive education "of the millions of girls—indeed for the education "of the mothers of the coming generations." These words "the mothers of the coming generations" are fraught with a deep and solemn import, and remind us of the great and heavy obligation that rests upon us in this regard, for the future will be much more enlightened than the present, and much greater preparation is therefore necessary for those that will be the mothers of that future. If we fail in this duty, we shall be thrown back in the path of progress with an ever-increasing velocity. The problem before us is a difficult one, and although there is a great deal of talk in every province of India about women's education, yet I have come across but few deliberate and thoughtful discussions of the subject or any concerted efforts to start practical action. In this connection, I would draw attention to the efforts of Her Highness the Begum of Bhopal, to whom

representatives of a particular interest or school of thought. I can only pray that as it has been the glory of Aligarh in the past to be synonymous for certain manly qualities of character and culture, so may the alumni of the Mahomedan University stand for all that is fine and noble in cultured manhood.

WOMEN'S EDUCATION.

I now come to the all important question of the education of our women. It is perhaps unnecessary for me to remind you how interdependent are all the various stages of instruction and how limited in their effects. It is impossible to hope for any progress in university education without real progress in Secondary which in its turn cannot advance until primary education has reached a considerable stage of development. But no education in any stage can be fully fruitful unless and until it is helped by a proper healthy training of the child in its home; it is useless to expect much from schools if parents use them simply as means of saving themselves the trouble of looking after their children at home.

I have read with pleasure in the Madras reports that female education is making praiseworthy progress in your Presidency. In the Report for 1914, it was noted that in two years the number of school-going girls of our community had been doubled and in 1915 there was a further increase. In secondary schools in 1914 there were 14 girls; in 1915 the number was 31. There is one question however that I would like

unrealized, but some years after, the leaders of our community took upon themselves the task of giving a practical shape to it and the response it then met with from the Mahomedan community from every corner of India was such as had not been accorded before to any other movement. Strange to say that soon after, we heard clamours for universities everywhere. The Hindu University has recently obtained its charter, the Mysore University is practically an accomplished fact and legislation for the Patna University is actually before the Imperial Council, whilst the schemes for the establishment of universities at Dacca and Nagpur are already far advanced.

I have never made any secret of my views about denominational universities; but the Mahomedan University must now be accepted as a settled fact and I have therefore not hesitated in doing what little I could to further its development on lines which would make for our real progress and minimize the evils almost inseparable from a university to be run by a community so poor in men of leisure and culture and so scattered as the Musalmans of India. I am glad that the controversies, very often bitter, that were waging round it are now at rest leaving thereby free our energies for the consideration of real progress. The constitution that is now being evolved for our University, is I am glad to hear, likely to ensure adequate representation of the interests of all the provinces of India in a way that will make them all feel that the University is theirs and not of a particular province or of the

will undergo as complete a change as has been effected by the establishment of Aligarh in the North.

One of the objects of the Fund from the Mahomedan Educational cess, if it comes to be levied as suggested above, will be the provision of adequate scholarships for poor promising Mohamedan boys to enable them to continue their studies in College. It has been reported that there has been a great dearth of educated Mahomedans in the Educational Service and that they fight shy of entering it. Unless and until we have a band of unselfish sincere workers like Mr. Quaraishi and unless and until we can produce young men fired with the zeal of missionaries and ready to consecrate themselves to the noble work of teaching at a bare pittance, it is useless to hope for the elevation of our community. We should remember that one of the many great dangers that await us through our educational backwardness and apathy is the fear of our faculties becoming atrophied by disuse.

It is perhaps on this account that many Mahomedans have for sometime past been casting longing eyes at the idea of a Mahomedan University. As a matter of fact, Sir Syed Ahmed pointed out soon after the foundation of the Aligarh College that until a people had a university of their own, they could not produce men of plain living and high thinking animated by the patriotism and selflessness so necessary for those who were to become the missionaries of culture and civilization amongst their people. For a long time, this idea of his remained

question and will make it quite clear to the authorities whether this aversion to special schools is due to their denominational character or to defects entirely unconnected with it, defects of management, defects of discipline, defects of staff and equipment.

University Education.

When we come to turn our eyes to University Education we find that we have hardly achieved anything at all and that our position there requires immediate attention and great efforts before it can be bettered. In 1914 only 1 Mahomedan appeared for the M. A. Examination and was successful. In the B. A. 3 students out of the 4 that had gone up for it, passed. In the L.T. examination all the 4 students passed. In Law, in the first examination 3 passed out of 4; whilst in the B. L. the two that appeared failed. In the Intermediate 25 students out of 95 passed. Turning to the figures for 1915 we find that no one appeared for the M. A. examination; in the B. A. 8 were successful out of 23; in the F. L. 1 out of 3; in the B. L. 1 out of 5 and in the Intermediate only 25 out of 113. So we see that the results for the year 1915 were much worse than those for 1914. The percentage of Musalmans in collegiate institutions on those in the Secondary Stage is 2·9 whilst the corresponding Hindu percentage is 7·6, the Brahmin percentage being 11·6. I however sincerely hope that with the development of Vaniyambadi into the Aligarh of the South, these depressing statistics

success," and in reality, you know what a potent factor the German Secondary Schools have been in producing German unity. I shall not be far wrong when I emphasize the fact that it is the future of Secondary Education which will ultimately decide our fate.

In connection with the establishment of special schools for Mahomedans I feel it my duty to refer to the remarks of the Government of India in 1913—1914. "It is interesting," they say, "to find that "in several reports mention is made of the readiness "of Mahomedans to enter the common schools and "of the unpopularity of special institutions. Not-"withstanding satisfactory progress in the number "of Mahomedan pupils in Madras, schools chiefly "intended for this class of the community decreased "and their pupils fell off by over 10,000. The Maho-"medan High School in Bombay which offers many "advantages, is shunned by those who can afford to "send their children to other institutions. The "Director in Burma, in answering the question whe-"ther Mahomedans are really apathetic in the matter "of education, says that their only apathy seems to "be in not wishing to send their children to purely "Mahomedan schools."

I do not myself wish to express any opinion on this remarkable pronouncement of the Government of India except to say that the growth of the Vaniyambadi High School seems rather to make it hazardous to indulge in any hasty generalization. I am sure that this Conference will thoroughly examine the

the interests both of the Government and of the sister communities—that I have decided to refer to these concessions. What I should like, however, the Mahomedans to do, is to try in this and in other respects to stand on their own legs and to come forward to help themselves. For this reason, I would commend for their consideration the advisability and feasibility of voluntarily imposing a tax upon themselves for the furtherance of secondary and higher education in their community. A resolution asking for an additional cess being levied on them by the Government on all public revenues derived from them whether it be land revenue, customs, octroi, house tax, or income-tax would be a practical earnest of their desire to try to utilize all their resources and would take away the sting of charity from any request for their being supplemented in case they proved inadequate. Before any definite proposals, however, on these lines are made, there will doubtless be an investigation of the statistics of revenue, etc., but at present I can think of no more fruitful remedy than the one I have suggested for meeting the special problems of Mahomedan education in the South.

That an effectual remedy should be found is a pressing problem when we remember that it is this stage which leads to higher education and it was Secondary Education about which Prince Bismarck said in 1895: "If I had not found in our nation the "preparatory work of the Secondary teaching profes- "sion, I do not believe that my work, or the work in "which I have collaborated would have met with such

higher secular education, but that indifference is now disappearing.

The difficulties that I have specified require a radical remedy. Concessions like those granted by the Madras Government of contributing half fees for Mahomedan pupils admitted by private schools are inadequate. The Educational Commission of 1882 attached so much importance to the problem of Mahomedan education that it ordered that a separate chapter in each Administration Report should be devoted to it. There is a strong feeling I understand in Madras that Mahomedan Education should be in charge of a special assistant to the Director of Public Instruction who should be given the same status as the Inspector of European Schools and who would be in direct touch with the Director. Such an officer has been appointed in Bengal. In a Circular of 1913 referring to the backwardness of Mahomedans in Secondary as compared with Primary Education, the Government have advised the expansion of the existing Mahomedan schools and colleges, the opening of fresh schools and hostels, the appointment of special inspectors and an adequate representation of Mahomedans on the managing committees of mixed schools and colleges. It is with considerable hesitation that I invite attention to these special recommendations, for I am strongly opposed to that spirit of mendicancy for special favours or invidious distinctions which are so inconsistent with the self-respect of a community like ours. It is only owing to the fact that the advance of the Mahomedans is bound up with the larger interests of India itself—

found private schools of their own to any great extent. Nor can they rely on private institutions started by the members of other communities, for their pupils are frequently unable to pay the fees required which support their schools. Sometimes they are excluded on other grounds such as the original wishes of the founder himself. Even if there are no difficulties of admission, there is the difficulty in the case of most Mahomedan boys with regard to the vernacular. There is no provision usually in these schools, not even in most Municipal and Board schools for the teaching of Urdu, the study of which the Mahomedans of India have come to look upon as a duty since they regard it as the language of their particular culture and the medium of instruction in their religion. The absence of provision of Urdu teaching in Secondary Schools effectually keeps off Mahomedan boys from these schools. Your late Director of Public Instruction, Sir Alfred Bourne, felt this difficulty when he pointed out the paucity of Secondary Schools with Urdu as their medium of instruction and the disadvantages that Mahomedan pupils laboured under, owing to the medium of instruction in the classes being in another vernacular. Another difficulty is that Mahomedans are still wedded to the idea of religious education and although they are becoming more and more alive to the necessity of sending their boys to purely secular schools, that difficulty still exists at least in some parts of the country. I do not say that there is not another effective cause and that is the indifference of the Mahomedans themselves to

Presidency a truly depressing state of things is revealed to us. We find that the number of Musalman pupils in Secondary Schools in 1914 was 6,543 and in 1915 it had increased by only about 188. This can in no way be called a satisfactory rate of progress as it is only 2·8 % as compared with 6·7 for the Presidency. In the High School Leaving Certificate Examination in 1914, 160 students were successful and in 1915 only 170. Coming to percentages, as previously remarked, the percentage of pupils in the primary stage to the total population was for the Musalmans 4·3 and for the Hindus 2·8 (the Brahmin percentage being 8·1) but the percentage of Musalman pupils, in the Secondary stage to their number in the primary stage was 5·5 whilst the Hindu percentage was 10·3 thus practically a reversal of the position in this stage. The Brahmin percentage was 52·2.

Let us now endeavour to find out what the special causes are that have led to this state of affairs. So far as I have been able to ascertain them, I am informed that the special difficulties in your Presidency, in the way of Mahomedan boys in Secondary Schools, are several. In the first place, the Government considers itself responsible only for Primary Education. Secondary Education it leaves to be more or less looked after by the philanthropy and public spirit of private indviduals or communities or missionary zeal, and to some extent, to Municipalities and Local Boards. Now, owing to the poverty of the Mahomedans they cannot

will be useless to expect any progress in higher education. I would therefore ask this Conference to consider the advisability of taking immediate and urgent steps in the conversion of the hundreds of thousands of religious Maqtabs into Primary schools and with this view, to organize committees in every district who would report progress from year to year and show that success has attended their efforts. They must remember that such an extension of these schools helps even the object for which they are originally created by their founders, *viz.*, Koran teaching, since the reading of Urdu readers necessarily helps the learning of the Koran. His Highness' Government have decided to assist a similar conversion of the Mosque schools in their dominions by liberal grants-in-aid, and I have no doubt that the British Indian Government, who have in their important resolution of the 21st February 1913 acknowledged the effect of the introduction of a simple vernacular course into Maqtabs in spreading elementary education amongst Mahomedans, will not be less liberal in this respect. I cannot lay too great an emphasis on this work, for if the hundreds of thousands of Maqtab schools are converted into instruments of elementary education, we shall practically have solved our educational problem of this stage at least, for, elementary education will then have become our possession.

Secondary Education.

Now when we turn our attention towards our position as regards Secondary Education in this

remember, are not of any great help to us in breaking down illiteracy. And though in Madras our percentage of literacy too as defined in the Census Report is better than that of our community elsewhere and also of the Hindu community at large, yet even this percentage in itself is not sufficiently high when compared with the percentage of the more progressive sections of the Hindu community in India. One way in which a great impetus can be given to the extension of Primary Education amongst the Mahomedans of Southern India, as elsewhere, is to develop the religious Maqtabs into Elementary Schools teaching the 3 R's and through elementary Urdu Readers giving the child some knowledge of his surroundings. By the reading of the Koran taught in these Maqtabs a child *ipso facto* gets a certain acquaintance with Urdu script and pronunciation, so that it will not be difficult to make the conversion suggested and thereby give the child an education sufficient to prevent his relapsing into ignorance after a time, as is the case with those who attend the present Maqtabs. Some of these children might proceed later on towards the higher stages of instruction and thus improve our percentage for Secondary education which as you will presently see is very low indeed. You are aware that Burma has the highest proportion of literates and one reason for it is the existence of *Pongyi Chaungs* which correspond to our Maqtabs as they will be when some secular education is imparted in them. Primary Education is an essential factor in national progress and unless we make its extension a vital point in our programme it

rates and 11 female literates per 1,000 and the Hindu population has 135 and 11 respectively. The proportion of literates amongst Mahomedans in Bombay is 85 male and 7 female, in Bengal 72 and 2, in the United Provinces 85 and 6 and in the Punjab 27 and 2. In Hyderabad too though the percentage is much better it is still less than Madras, being only 103 and 13. According to the last Quinquennial Review of Education, the percentage of Mahomedan pupils to the total of pupils of all classes in public institutions was much higher than the percentage of the Mahomedan population to the total population in Madras. We there see that whilst in the Punjab where we form nearly 55 per cent. of the population, our children of the school-going age are only 39 per cent. of the total school going population, and in Bombay where we constitute 18 per cent. of the population only 16·6 per cent. of the school-going children are Mussalman, in Madras in 1912, 9 per cent. of the school going children belonged to our faith, though our community numbers only 6·6 per cent. of the total population. This is in a way a gratifying record, and is a testimony to the intelligence and enterprise of the Mahomedans of South India. Do not, however, let yourselves be unduly elated by these figures; for the reason why the position of Mahomedans all over India seems satisfactory as regards primary education is owing to the fact that the pupils attending Koran Maqtabs are included in the statistics as children belonging to Primary Schools. Now these as they exist at present, we must

stock of his year's transactions, we too should by means of an annual Conference such as this, take stock of our work during the last twelve months and see what progress we have made in that period, what fruit our efforts have borne, what stage we have reached, and what we intend to achieve in the near future. If in the course of our deliberations we discover that our position is not as sound as we had believed it to be, we should guard against undue pessimism, for pessimism you should remember, stifles energy without which no work of regeneration is possible. A community that has learned to face unpleasant facts with calmness has taken the first and perhaps the most difficult step on the road to progress. Equally should we guard against any undue elation lest it lead us to a state of indolent contentment which has only too often, alas, been the ruin of a people.

PRIMARY EDUCATION.

You will therefore, I trust, bear with me if I recount a few salient facts relating to the position of the Mahomedans in Southern India as a community. Of all the provinces of British India with the solitary exception of the Central Provinces, Madras has the smallest proportion of Mussalmans, *viz.*, 662 per 10,000 of the population. From the point of view of literacy however, they have a much higher proportion of literates than their co-religionists in most other provinces, nay more than even their Hindu neighbours. According to the last Census Report of India, the Mahomedans of Madras have 166 male lite-

entrusted to me, I would like to point out that although the duties of my present office in His Highness the Nizam's Dominions include the educational activities in the State, which to a certain extent are connected with those of this Presidency, most of our educational problems are peculiar and unique and though I may thus bring a certain amount of intellectual detachment in the consideration of your problems, I cannot realize with the same vivid consciousness as yourselves, your feelings and sentiments which after all usually determine more than the intellect, the course of thought in all great issues. I would therefore beg of you not to take the remarks that I propose to make as having in any way any authority, but as more or less suggestions from one who is inspired by absolute sympathy with all your aspirations and aims and who, though not actually living in your midst, has yet that intense feeling of brotherhood which is the sacred inheritance of the followers of Islam. And if I am able to throw new light upon the questions that are engaging your attention and thus help you to some extent in their solution, I shall consider myself more than amply rewarded.

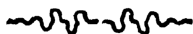
Gentlemen, there was a time when it was necessary for us not only to speak but even to *preach* about the necessity and importance of education in our community. That time, thanks be to God, is now past and the desire for education is gradually permeating the masses of our community with an ever increasing rapidity. But it is necessary that, like the Sahukar who every year on the Diwali day takes

towards educational reform, yet, if there be difficulties in the way of practical action through a straitening of the financial resources, it is open to us to at least give thought to the problems that face us, and to prepare ourselves for the future, so that as soon as these troublous times are over and those ideals realized for which our Empire is fighting, we may have ready a definite and deliberately considered programme of our educational work, which we will then be able to carry into speedy execution. I, therefore, consider this conference as a preparation for the good time that is soon coming, when peace and quiet, without which no constructive work is possible will again reign supreme in the world.

I do not know in what words to express to you my thanks for the very great honour that you have done me in asking me to preside over the deliberations of a conference, which aims at looking after the educational interests of the Mussalmans of Southern India. My connection with your Province dates back to a time just 16 years ago, when in the course of my official career, I spent ten never-to-be-forgotten months in Madras. Amongst the several friendships which I then made and which I have ever since cherished among my most treasured possessions, is that of Mr. Ibrahim Quaraishi who belongs to that small band of truly unselfish and sincere workers who have done so much for the education of our community in this part of India and who have raised in us a hope, that Vaniyambadi will at no distant date become the Aligarh of the South. As to my qualifications for the task which you have so generously

NOTE.—*This is an abridged paraphrase of the address delivered in Urdu before the Mahomedan Educational Conference of South India held at Vaniyambadi on the 28th October 1916.*

PRESIDENTIAL ADDRESS.



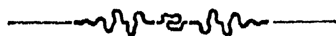
GENTLEMEN,

In the lives of individuals as well as in the history of nations, we frequently come across periods which are over-shadowed by some great calamity, and sometimes it is the whole world that is overtaken by a cataclysmic catastrophe engulfing all, guilty and innocent, rich and poor, young and old alike. It is in the shadow of just such a catastrophe that we are at present living. More than two years have elapsed since practically the whole of Europe and considerable portions of other continents of the world, have been engaged in a war, which, in its sanguinary character and the blow that it threatens to deal to our economic and social life, is probably unparalleled in the history of mankind. To us in India it is a matter of pride that we are the subjects of a sovereign, who has unsheathed his sword in the cause of Righteousness and in the chivalrous defence of a weak and unoffending nation against a powerful enemy, whose greed breaks all laws and who threatens not only culture in the broadest sense of the word, but also those ethical principles on which alone a refined human society can be based. During times such as these, it is hardly possible to take any big steps

The Mahomedan Educational Conference

OF

Southern India



Presidential Address

BY

M. A. N. A. HYDARI, Esq.,

Secretary to H. H. the Nizam's Government,
Judicial, Police & General Departments.



Hyderabad-Deccan :

PRINTED BY A. V. PILLAI & SONS, AT THE GLADSTONE PRESS.

1916

BULLETIN PRESS, SEC'BAD.

Lectures were delivered on the present position of Education in Hydorabad by Maulvi Mohammad Mazhar of the Home Office and on the position of Scientific Education by Professor Abdur Rahaman of the Nizam College; and poems on the Conference were recited by Syed Razi-ud-Din Hassan Kafi.

The conference came to an end with a brief concluding address by the President in which, after thanking His Highness for his gracious permission to hold the meeting in the Town Hall and the concessions he had granted in connection with the Conference, he thanked Mr. Mahomed Murtaza, the Secretary of the Conference, for the way in which he worked to make it such a great success, and the members of the Managing Committee, especially the Chairman of the Reception Committee, the Honourable Mr. Faiz-ud-din, Messrs Welinkar, Khan Fazl Mahomed Khan, Ghulam Mohiuddin, Abdul Haq, Faruqui, and Kurshed Ali, Moulvis Akbar Ali, Mirza Mahomed Beg, Abdus Salam, Nasruddin, Mahomed Murtaza, Abdul Basit, Mrs. Sarojini Naidu for her beautiful speeches in English and Urdu, and the volunteers from the Darul-uloom, the Normal School and the City High School.

A vote of thanks to the President was proposed by Maulvi Abdul Haq Sahib and seconded by Maulvi Mohammad Murtaza, Secretary of the Conference.

The proceedings began and terminated with an invocatory hymn recited by the students of the Government Normal School.

motion of education, it is desirable that a suitable portion of the income of such endowments be devoted to religious education.

Proposed by Maulvi Abdul Khader Sahib Sufi, Preacher; seconded by Maulvi Akbar Ali Sahib, Editor of the *Sahifa.*

VIII. Resolved that, to encourage medical education and in the interests of the public the medium of instruction, at least in the Sub-Assistant Surgeon Class of the Government Medical School, should be Urdu, as was the case before.

Proposed by Dr. Mirza Raza Khan, M. B., Ch. B.; seconded by Maulvi Hakim Maqsud Ali Khan Sahib. Supported by Dr. H. M: Sultan.

Dr. Khedive Jung, Deputy Director of the Medical Department, spoke against the proposition which, however, was carried by a majority.

IX. Resolved that a Standing Committee be appointed to carry into execution the proposals made by this Conference. This Standing Committee shall be authorised to draft the necessary Rules and Regulations, and to appoint Sub Committees in all the districts to enquire into the prevailing local conditions and to propose necessary measures for the promotion of education in them.

Proposed by Maulvi Mohammad Murtuza, Secretary. Hyderabad Educational Conference; seconded by Mrs. Sarojini Naidu.

X. Resolved that an Educational Fund be opened to assist in the diffusion of education, out of which scholarships may be granted to meet local requirements; and that the Standing Committee be authorised to collect subscriptions to the Fund and to frame suitable rules for the award of scholarships.

Proposed by Maulvi Abdul Haq Sahib, B.A., Inspector of Schools, Aurangabad: seconded by Maulvi Fazil Abdul Basit Sahib.

Proposed by Mrs. Sarojini Naidu; seconded by Maulvi Syed Khurshed Ali Sahib, Muntazim, Finance Department.

V. Resolved that it is necessary to pay adequate attention to industrial education; that it is desirable to appoint a Special Officer as Director of Industries for the purpose, as has been done in British India; that enquiries should be instituted as to the arts and hadicrafts and the types of commercial education which are best suited to the population in those Dominions and will afford the best means for giving them an impetus. The Conference further resolved that the existing Engineering School be developed into a College of Civil, Mechanical and Electrical Engineering, arrangements being made for practical instruction to be imparted in the Workshop and the Electricity Department attached to His Highness' Mint; and that the medium of instruction be Urdu.

Proposed by Khan Mohammad Yusuf Sahib, Assistant Engineer; seconded by Maulvi Mohammad Mazhar Sahib.

VI The Conference recommends, for the consideration of His Highness' Government, the appointmont of a Commission to enquire into the reasons which cause a large number of students to leave the local College and High Schools and to emigrate temporarily to British India to attend the Schools and Colleges there, or to join local classes to be prepared for the examinations of other universities. When the report of the Commission is Submitted adequate arrangements should be made to check this vil.

Peroposed by Mr. N. G. Welinkar, M A., L.L.B., Chief Inspector of Schools; seconded by Professor Abdul Rahman, B. Sc., Nizam College.

Mr. Mehdi Hassan Bilgrami proposed an amendment that it was not necessary to appoint a commission for making such an enqniry, the root of the evil being the existence of the Middle School Examination, which should the abolished. On votes being taken, the orginal proposition was passed by a mojority.

VII. Resolved that an enquiry be instituted into the nature and character of religious endowments, and that if one of the original objects of the endowment was the pro-

The Resolutions.

The following resolutions were passed at the First Hyderabad Educational Conference held on the 1st and 2nd March 1915 :—

I. Resolved that it is urgently necessary that greater attention should be paid to Elementary Education, so that education may become more widely diffused in the State in the near future.

Proposed by Maulvi Fazil Abdul Basit Sahib; seconded by Mr. Bhupendranath Chattopadhyay B. A. Assistant Accountant General.

II This Conference fully realises the urgent necessity of bringing out Urdu translations of literary and scientific works. Resolved that the Conference invite the attention of His Highness' Government to the matter and recommend that the annual sum of Rs. 12,000 formerly devoted to the Translation Department, which has been brought under reduction, be in future spent on prizes for the best Urdu books and translations.

Proposed by Maulvi Abdul Haq Sahib, Inspector of Schools, Aurangabad Circle; seconded by Baba Gaya Prasad Sahib, Pleader.

III. Resolved that small libraries of Urdu and English books be started at all district headquarters to accelerate educational progress, and that the expenses thereon be met from the accumulated balance of the Educational Local Fund Cess.

Proposed by Maulvi Mirza Mohammad Beg Sahib, Special Land Acquistion Officer, seconded by Maulvi Faizuddin Sahib, 1st Grade Vakil. and Member, Legislative Council.

IV. Resolved that His Highness' Government be recommended to appoint a Commission to investigate and report on the best means to be adopted to further the cause of Female Education and to make it more popular.

such a light will radiate throughout the country as we cannot now even imagine. Mines are many, but diggers are few, and yet on the valued labours of these diggers do our future progress and success depend. My fourth suggestion is that when we are spending so much on our own selves we must spend something of ourselves on our country. All our hopes and aspirations are bound up with the future of our country ; on the presperity of our country depends our own ; its retrogression means our ruin. It is therefore necessary that there should be at least some self-sacrifice on our part. It is our duty to try and save our country from those dreadful dangers which are the products of ignorance, and work in the spirit of self-sacrifice and sincerity, and, so working, fight the demon of ignorance and spread learning throughout the land. Self-sacrifice and union are mighty powers, and nothing can impede the progress of a country in which these virtues have been developed.

Gentlemen, the time is short ; the work before us is great. The way is difficult and the end of our journey is distant. Come, therefore, with one heart and one mind let us inaugurate this sacred work so vital to the progress and improvement of our country. Let us pray that our hopes and aspirations may be blessed, and may the gracious Sovereign of this State have long life, strength and prosperity ; for in his success is our success, in his glory and fortune lie our joy and strength.

my individual opinion but also that of some of the best artists and art critics of Europe. Similarly, go to Delhi or Agra and see the Taj Mahal or the Moti Mosque or the Jumma Mosque and other places, and a strange, deep and lasting impression will be created, not a sentiment of reverence for our fathers who did these marvellons works but a desire to emulate them. Our aesthetic taste will also be stimulated. In my opinion the creation of aesthetic appreciation is a large part of education, which materially influences us in every walk of life. Apart from Education in arts and crafts there is commercial education on which the well-being of a State so much depends. Endeavours by Government are being made to place Industrial Education on a correct and sound basis, and the time will come when proposals for commercial education will also be taken into consideration.

Now I beg to invite your attention to one or two general, but practical, suggestions. In the first place, if you pay respect to people of wealth and position and power, it is necesssary that you should pay, if not more at least as much, respect to those who are seeking learning and tryi g to spread it They are a hundred fold more entitled to respect than those who are engaged merely in the accumulation of wealth and worldly goods. A teacher, however low paid he may be, is worthy of respect, for this reason that he is doing a great service to his country and is a benefactor of present and future generations. Our country has been proverbial for its respect to teachers and amongst us the teacher has often commanded an even greater respect even than the father. Secondly, it is our duty to help promising boys who are indigent. Who knows that among these very pebbles there may be some diamonds; amongst these very boys there may be some who, given the opportunity, may become the pride of our country? To help such boys is to help our country. A third matter to which I would direct your attention is that simply to indulge in vague generalizations and to talk of general things does not bring much profit. We must go beyond this, and whatever special subject or art we take up we must try to concentrate all our energy on it. It is for this reason that there ought to be amongst us some who should concentrate their minds on the detailed study of facts, on weighing and testing each fact and then gradually by digging bit by bit getting a mastery over all the details and all the aspects of the subject, thus becoming experts in their own branch of study or work. It will be then that

literary men but also men of industry and commerce and art. India has been from ancient times celebrated for her arts and crafts and this fame was no transient one, but has come down even to the present day. Go to any part of these Dominions and you will see relics of decadent arts and crafts which through our own neglect are expiring. I do not wish to dwell on all the causes that have led to this decline of our ancient industries. Among them the principal are (1) the replacement of handiwork by machine power; (2) our own want of artistic taste. Really it is not so much the introduction of machinery as our own decline in artistic taste that has brought about this decadence in our arts and crafts. The *Himru*, *Mashru* and *Jamewar* of Aurangabad, the carpets of Warangal, the *saris* and turbans of Patan, the beautiful and fine work of Bidar, the silks of Siddipet, the carved work of Bhimkal, the toys of Kuppal, and many other industries can be restored to new life by appreciation and encouragement on the part of the public. In the Crystal Palace Exhibition in London of 1858 there was a section in which the carpets from different countries were exhibited together, and you will be surprised to hear that the finest carpets were adjudged to be these from Warangal. If an exhibition of carpets were held to-day can you imagine that the carpets from Warangal would be given the same place? This is the result of our own apathy.

Take among the fine arts our ancient sculpture, and architecture, which the whole world admires and which in imitation of the West we are now faintly trying to appreciate. I have been recently to Ellora and Ajanta and have seen the great works of art which are among the wonders of the world. It appears to me that what the common people say that 'these were the works of gods and avatars' is true. For when we compare ourselves with the mighty creators of these works, it becomes difficult to believe that they were the people of the same place and the same country in which we are living. These two monuments of human art are living schools that have been standing there for centuries , silently beckoning us to draw instruction and inspiration from them. And the time has now come when we must accept the invitation. The best method would be to start an arts school, the promising pupils of the higher classes of which should spend a certain period of student life in these caves, and learn from them what no living painter can teach. In the whole world there are no schools better than these. This is not only

we have a distinct and special advantage over other parts of India and it is this, that here Hindus and Musulmans are like brothers, their wants and their wishes are the same. their relations with one another are so intimate that it is difficult to distinguish between a Hindu and a Mohamedan. This is one of the characterisic features of this State, not only now but for years past, and if God so wills, this distinction will always remain and give an invaluable lesson to other parts of India. In these days a fresh factor for placing these relations on a firmer footing has entered, and that is the present position of the Urdu language in theso Dominions. Hitherto the State language was Persian, a foreign language. Urdu, which has now taken its place, is a Hindi-Aryan language. It is the result of the joint efforts of Hindus and Mussalmans. Whoever is conversant with Marathi or Guzrati can well recognise this language as a sister language in a philological sense. Take this State, where different languages are being spoken, as a miniature of India in this respect. Whenever two people from different parts who are not acquainted with one another's language hold converse together, the medium of their communication will invariably be Urdu, which every one can speak and understand. It is our *lingua franca* and gives us great and invaluable help in making us united in sentiment and thought. Do not infer from this that I desire the local vernaculars to be overlooked. As a matter of fact in the new curriculum every attention has been paid to their improvement and in the first stages of education they have been made compulsory. In the higher classes Urdu has also been made compulsory because that is the State language. I have been informed that in the Districts and villages there is great demand for such education and applications are being constantly received for the appointment of Urdu teachers. Besides, it will help largely in promoting and preserving our unity. The purpose of developing the Urdu language was to create this unity between two religions and peoples: even now it is doing the same work of unification and if we act with wisdom and forethought it will make more and still more for this same end.

Our attention should not be directed towards merely literary education. Our special attention is due to those arts and industries which materially affect our social life and economic conditions. The necessities of our State are manifold, and it is essential that it should possess not only

Gentlemen, in this State the Government are not indifferent to the backwardness of education. On the contrary, they have for some time past been making special efforts for its progress. You will remember that only a few years ago they engaged the services of an expert on a high salary, who, after nearly two years touring throughout the length and breadth of the Dominions, produced a report of eminent ability. Afterwards financial provision for giving effect to the proposals and schemes was sanctioned by the Government Among these may be mentioned the preparation and revision of curricula, suitable arrangement for the proper study of Urdu and other local vernaculars, increasing the number of schools, selection of good teachers, improvement of Industrial Schools, and the organization of an adequate district Inspecting Agency. With regard to the curriculum for Primary Schools it is very necessary to take into account of all the local needs. The books should not only provide for the intellectual cultivation of the readers but also create in the minds of the young the love of country, the spirit of union and loyalty, habits of courtesy self-sacrifice and all those virtues which go to the making of good citizens. It is for this reason that in my opinion new readers should be prepared for our schools, in which these subjects and also local knowledge should be adequately represented, and the whole placed in a setting which our people can understand and appreciate.

I may assure you that so far as it rests with Government they will leave no stone unturned in the matter of Educational improvement and progress; and especially at this time, when His Highness himself is such a warm supporter and patron of education, it is impossible that any laxity or hesitation can be allowed. But so long as the educated men of the country will not help the Government, full success cannot be expected. We have now to understand that the absence of education not only means ignorance but has concealed within it the seeds of poverty, decay and eventual extinction. It is therefore the duty of all of us to work in the spirit of union and self-sacrifice and strive, as missionaries of education, to spread knowledge everywhere. Those who are engaged in this sacred work should be respected by us all. Then will this great wrong be righted. By God's grace this State can boast of every facility. Its large revenues, its ample resources, its varied population. its beauty and historic associations are such as to inspire us all to unremitting exertion in its service. Above all, there is one thing in which

assisted in fostering and stimulating intellectual activity. India was renowned for her great libraries in ancient times. Many ancient Indian families possessed exceedingly valueable collections of books. In these days, no less than in the past, we cannot do without libraries: indeed in the times in which we are living Public Libraries are an absolute necessity. The output of books is so enormous in our day that is no longer possible for every man to have a private library which will be representative of every branch of knowledge. He may be able to gather together some books on the special subjects in which he is interested, but to gather a representative collection of books on all the sciences and arts is beyond the power of any individual. It is therefore necessary that Government, or the joint efforts of individuals, should establish Public Libraries in different places, where students can spend their leisure in reading and research, and also where business men can, during their leisure hours, derive the profit and pleasure which come from reading the great books of the world. A good library is a priceless possession indeed and contributes substantially to the spread of education no less than schools, colleges and universities. How many people with only an elementary education have, by the help of libraries, become renowned and rendered signal service to learning! It is a matter of great satisfaction to us that in Hyderabad there is a very fine library to which additions are made every year; so much so that it promises to be one of the famous libraries in India. But it is necessary that in the various districts good libraries, though not on such a large scale, should be established, in which specially books in Urdu and the local vernaculars should be well represented. It is not merely necessary that people should be able to read and write, but a taste for learning should be created, and this can be more effectually done by libraries than by schools. I would even go so far as to say that every Primary School should have a small library of its own, where books can be found which will interest not only school boys but also the village folk, so that the latter might acquire a taste for reading or at least listening to readings from those books and thereby cordial relations might gradually be established between the school and the village people, which would be a great benefit to both. This would lead eventually to the establishment of travelling libraries, and in this way there would be a wide diffusion of a general taste for reading in the country.

in our schools true foundations for learning and morals. But to successfully achieve this it is necessary that upto a certain stage all subjects should be taught in the pupil's mother tongue. The injury that has been done by imparting knowledge through a foreign language is too great to be overlooked any longer. Not only does it put a great strain upon the minds of youth, but our originality and thought are to a great extent thereby suppressed. It is satisfactory to know that Government in the department of education is carefully considering this question and I am certain that in the new curriculum adequate attention will be paid to it.

It is necessary for the achieving of this object to enrich the stores of our vernacular languages, particularly Urdu, so that out students and people may have no difficulty in acquiring knowledge through it. It is a matter of great pleasure that the *Anjuman Taraqqi Urdu* is doing very good work in this connection. I have every hope that its endeavours will result in making rich additions to our books on Science and Art. But let no one understand by this that I am against Western learning or the acquirement of English. As a matter of fact I am as staunch a supporter of that learing as of Oriental learning. All that I contend is that, barring certain exceptions, the teaching of English in the first stages of education is injurious rather than profitable In the higher classes it is a necessity. Without it we cannot, in the true and real sense of the term, consider ourselves to be educated. In British India possibly the course I recommend may not be found suitable, as English is there the official language and all correspondance is conducted in it. But in our state the official language is Urdu, and the social conditions prevailing here are different from those in British India. The arrangements now in progress in the Dar-ul-uloom and the Oriental Schools are based on these principles, and I have no doubt when they are finally completed we shall see the development a great Oriental University, without rival in its own way in British India, which will extend its benefits to people in distant parts of our country and render Hyderabad a great centre of Oriental learning.

One great instrument of education is Public Libraries, and as a matter of fact next to schools, there is no more potent instrument. Public Libraries have always greatly

sults. The preponderating majority of our population is agricultural, on whose prosperity depends our prosperity; so far no movement for their betterment has been found to be more promising than that of co-operative credit. But the "ryot" will never be able to reap the full benefit of this system until he has had at least elementary education. It is for this reason also that we should endeavour to spread Primary Education in every possible way. I am sure that if you view the matter from this stand point the importance of Primary Education will acquire an added signifance in your eyes.

Amid the general depression caused by the statistics of education that I have presented before you, it is a matter of no small pride that satisfactory arrangements for the developement of Oriental education are being made. We have been able to secure as Principal for the Dar-ul-uloom, a scholar of great repute, who whilst eminent in Oriental learning, has also been educated in the learning of the West, and from whom great advantages are expected. Suitable modifications in the curriculum for this College are being made, and whatever defects remain will be gradually removed. The foundations for the teaching of modern Science have been laid and the teaching will gradully be improved. Alongside of this, in several places it is proposed to start Oriental High Schools. The first school of this kind has already been opened in Aurangabad. I visited it recently and was exceedingly pleased to see that it is being conducted on right and profitable lines. There is life and progress, and what is more, the gentlemen to whom this school has been entrusted realize its importance and are doing their work with exemplary zeal and energy. It is my opinion, and I assert it with a certain degree of confidence, that if there is any true way of Educational progress it is this. The experience of almost a century has conclusively proved that in the East, where Western learning is not of any advantage from the standpoint of national progress, an Education that gives no consideration to our social conditions, and local needs, the foundations of which are not based on the consideration of our national requirements and aptitudes, is not a profitable education. Likewise, purely Oriental learning is, in view of our modern necessities, profitless. The one makes you alien to your country and its people, the other deprives you of the light of modern learning and progress Separated, both are incomplete and wanting, and for this reason it is necessary that the virtues of both should be combined and a curriculum formed that will lay

Education of women. The time for discussion is past; the time is now for action, for the improvement of the present and taking thought for the future. God forbid that in fruitless discussions our time may pass away from our hands and we stand disgraced before our children. It is painful to have to remind you that in these Dominions there are only 4 literate women in a 1,000 and if you exclude the satistics of the City from this average it falls down to 2·3 per 1,000. This Conference must bear in mind that if we desire to be an educated people we must realize the paramount necessity of the education of women The low average of 28 per 1,000 of literates in this State is due to the very bad average for women. If women are excluded the average is raised to 51 per 1,000; but can we exclude women from such an average, and without educated women can a State be consider civilized?

Now, the foundation of all education is Primary Education, and it is therefore necessary that we should devote as much attention as possible to spreading it. All cannot be highly educated, but this certainly is necessary, that all should know how to read and write, and our endeavour should be that amongst the subjects of His Highness the Nizam there should not be a single person who has not received Primary Education. Many illustrations will come to our minds of persons who received simply an elementary education and yet by their ability and subsequent reading became great men, not only in public esteem and position but even in Education and learning. Primary Education is the scaffolding of the national fabric and the basis of individual national progress. In order to spread Primary Education amongst the people at large we must seek the assistance of the various local boards. Presumably in each local board there are some people who will have a certain amount of interest in Education and if such people, in co-operation with the Inspectors of schools, whom we are for this very reason going to appoint in every district, devote themselves to the spread of education within their own area, I am sure that we shall attain success.

Among many other advantages there is one great advantage which I anticipate from a widespread diffusion of Primary Education in this State. You know that here we have only recently started the system of co-operative credit. This is no common movement. It is a very great movement which will have very large and far reaching re-

partly owing to ignorance, and partly to the belief that the curriculum is not suited to their condition and needs. It will be, therefore, necessary that the curriculum for these schools should be so framed as to give due consideration to the social and economic neeeds of this section of the population and at the same time fulfil its main objects. I am certain that due consideration will be given to this point in the curriculum which is now being framed. It is a noteworthy fact that in the whole of India, in the matter of general education, the most advanced province is Burma, where the percentage of literates is 24. The cause is in all probability the large number of private schools connected with the Buddhist Monasteries. This also to a certain extent shows how in these Dominions the paucity of literates is partly due to the gradual decrease of private schools and how necessary it is to make up for this decrease by adequate substitutes.

That country can never be educated or progressive whose women are steeped in ignorance, however enlightened the men may be. It is as if the body politic were suffering from hemiplegia, half sound and half paralysed. Father and mother both influence the child: but it is admitted that the influence of the mother is much greater than that of the father; and if that is admitted can it be supposed that the influence of an ignorant mother on the child will be good? If the mothers who give our children their first lessons in life—lessons which must inevitably influence their entire future—are devoid of education, how can we be sure that when the children go out of their hands they will be blessed with real education and morals? It is for this reason that this State is steeped in ignorance, that there is so little learning and such wide spread indifference to Education. There can be no doubt that those families where the men are educated do pay some attention to the education of their women also, but to say that the educated will themselves arrange for the education of their women, and that therefore it is not necessary for the State to take special interest in the promotion of female education, is a snare and a delusion. Is there any fixed limit to the range of male education? Is there any fixed period for its accomplishment? Is it sense to wait for this time indefinitely, suffering this great injury to the womanhood of our country, when both should be together side by side, because on both depends the continuance of our families and the improvement of the generations to come? It is too late in the day to discuss the *pros* and *cons* of the

whom English knowing people form 70 per cent. Of the literate women in these Dominions, 80 per cent reside in Hyderabad City. The scarcity of towns in the Dominions is another reason for the general backwardness of Education, a fact which is exemplified by the average for Atraf-i-Balda (Suburbs of the city of Hyderabad) and Medak, being higher than the average for the Dominions. The progress of trade and the development of communications by rail and road are important factors in the spread of education. We need go no further than Parbhani to see how these factors re-act upon Education. A third cause is the large percentage of the population who follow agricultural and connected pursuits (62 per cent,) and the circumstances of whose lives make it difficult for them to realise the advantages of education. Further, the absence of serious attention to things educational in the Jagirs helps to depress the general average. Again, it is possible that the present curriculum for Primary Schools is not popular with or suited to the needs of the village population, and the rural districts generally. Lastly, the depressed classes, who number in importance next after the Mussalmans and the Hindus, are absolutely devoid of Education. It is our duty to consider measures for their amelioration. There might be and undoubtedly are, other causes also ; but, in my opinion the greatest is the lack of earnestness and co-operation. With earnestness and sympathy, gradually all these impediments must disappear. It will be, therefore, the task of this Conference not only to hold meetings in the City and pass plausible resolutions, but to work from place to place, to study and investigate the facts in detail and draw correct conclusions from them ; and then with the self-sacrifice of missionaries to set about providing the remedy. It will be then that their work will command the attention of Government and the community will derive manifold advantages from it. If the Conference accomplishes this work it will have captured the very stronghold of darkness and ignorance, and present and future generations will always remain grateful to it.

From the Educational Reports it appears that private schools are gradually diminishing in number. It is possible that correct statistics are not available, but the probability is that the decrease is due to the opening of Government schools. To these Government schools there is a hesitation on the part of the people to send their children,

While I am deeply sensible of the honour that has been done to me, I could wish that the Presidentship of this Conference had been entrusted to some one better fitted for it than I am. I lay no claim to learning; at the same time I say this, without any false humility or hypocrisy, a servant of learning I am, and of this lowly service I am proud. My life interest has been in Education and will always remain with Education. Wherever I have served, I have placed the question of Education in the fore-front of my thoughts, and while I continue to be responsible for the Departments entrusted to my care in these Dominions the interests of education will be nearest to my "business and bosom."

The conditions of modern life make the work of spreading education and learning an act of virtue and piety; in fact it is the work of *Jehad*. Is it not *Jehad* to war with ignorance and darkness in order to spread the light of learning in the land, especially in a State where the condition of education is low and where the necessity of education is imperfectly re-cognized, and where, the members of the Conference will probably be surprised to hear, the average number of people who can merely read and write is only 2·8 per cent.

Although the population of Hyderabad during the last census increased materially, the average for Education in proportion to the population decreased by 4 per 1000. Comparing the averages for Hyderabad with those for the surrounding States and Provinces you will see what a Herculean task lies before us, and how every nerve and sinew must be exerted if our condition is to improve. The percentage in Travencore of educated people is 15; in Baroda, 10 1, in Madras, 7·5, in Bombay, 7, in Mysore, 6·3, in the Central Provinces and Berar 3·3 and Hyderabad 2·8 only. It is easy to make the Educational Department alone responsible for the backwardness; but is it not the duty of every department of the State to help the Educational department and the great cause for which it was constituted? Is it that the people of this State, as compared with those in other parts of India are less intelligent or more stolid? No, certainly not! The cause of this regression must be sought for elsewhere. There is no doubt that from the point of view of Education, the condition of the City of Hyderabad is much better, and as a matter of fact in comparison with that of the Districts, astonishingly so. The percentage of literates is 20, out of

a conventional one, as is expected from the President of this Conference, but really, my heart is torn with grief. I had the privilege of the friendship of all these men, and when I think of their passing away my heart is indeed overwhelmed with sorrow. In this Conference who is there who does not lament the loss of these noble benefactors of their country? Can we name in this great country of ours another man who has, by his absolute selflessness, his great self-sacrifice and sincerity, done such loyal service to his country; who has given his talents, his substance, everything—aye life itself—for it? I have no concern here with Mr. Gokhale's other manifold activities I am concerned only with the priceless services that he has rendered to the cause of education, and the example of self-sacrifice and sincerity which he has held up before us. What finer example can we show than that of Moulana Hali, who may be said to have revolutionised Urdu literature, and who, through his stirring poetry, awakened his people from the sleep ages, whose holy life and great virtues have left an indelible mark on the sands of time? Can we point to any greater friend of learning and of students than Dr Agornath? Can we at this time point to any one like Moulana Shibli, who spent his hole life in historical research and in creating an interest in the history of Islam, and who it his last breath was engaged in the same great pursuit? A point to be particularly observed in connection with these beautiful lives is that these patriots spent the greater part of their time and energy in the pursuit of knowledge and the spreading of Education, without caring for recognition or reward. They all belonged to poor families; they remained poor all their lives; yet the work they have done and the renown they have won no millionaire can attain. Such men are the very salt of the earth.

Gentlemen, I congratulate you on the happy inspiration which has prompted the inauguration of this Conference. I trust the good it will do will be remembered not only by us but by posterity also. I am persuaded that no greater service could have been done by citizens to Education than the promotion of this Conference. This work should have been started long ago, but we can make up for the delay which has occurred and was, perhaps, inevitable, by the energy and perseverance which we will now devote to the work; and if it is continued in the same spirit in which it has begun you will soon see what great results follow your efforts.

The proceedings opened with an invocatory poem in Urdu, recited by some students of the Normal School. The Hon'ble Mr. Fiaz-ud-Din, a member of the Hyderabad Bar and of the local Legislative Council, and Chairman of the Reception Committee, welcomed the delegates and proposed Mr. Hydari as the President of the Conference.

Mr. Hydari then delivered, in Urdu, his Presidential Address, which was a masterpiece of persuasive and dignified eloquence. His manner of delivery was superb and vastly enhanced the impressiveness of the proceedings. It is, of coure, absolutely impossible to bring out in a translation the literary beauty of the Urdu ; the English translation printed below merely gives the matter of the speech, but makes no claim to reproduce, in any sense, the charm and impressiveness of the original.

Presidential Speech.

Gentlemen :—

We are passing through a world crisis. A bloody war is raging in Europe, which has thrown almost the whole world into mourning. Hundreds of thousands of God's creatures are, without fault, being killed ; and throughout the whole world there is a strange spirit of disquietude and unrest But in this darkness there is for us this gleam of light, that we have discharged our duty as subjects with entire perfectness and loyalty. The gracious sovereign of this State has again given abiding proof of the traditional loyalty of his forefathers. We have implicit faith and trust in God. He will protect the right and crush wrong and the oppressor, and for this reason we are without anxiety as to the issue. Perfect confidence reigns among us, one proof of which is that we are going to-day to inaugurate this good work here, and hold this conference for the promotion of Education, with which the prosperity of our country and our hopes are intimately bound up. We are sincerely grateful to His Highness for his having graciously been pleased to accord sanction to this movement.

I would next beg leave to express my deep sorrow at the great national loss that India has sustained by the death of that great patriot, the Hon'ble Mr. Gokhale, and by the deaths of Moulana Hali, Moulana Shibli and Dr. Agornath. This expression of my sorrow is not merely

Hyderabad Educational Conference.

A unique event in the history of Hyderabad was the holding of the first Hyderabad Educational Conference under the Presidentship of Mr. M. A. N. Hydari, Secretary to His Highness' Government in *inter alia* the Eductional Department. One striking feature of this Conference was that it was attended by representatives of all communities and by delegates from the Districts. Its tremendous success warrants the hope that it will give the stimulus that has been long required to educational matters in Hyderabad.

The Conference is the work of a few earnest young men, led by Moulvi Murtaza, Secretary of the Conference, and supported strongly in their efforts by Mr. Hydari, who has always been of opinion that Educational Conferences are the most helpful agency that Government can have in advancing Educational progress in His Highness' Dominions, by providing a most beneficial outlet for the intellectual efforts and the public spirit of enthusiastic workers in the State. The proceedings, which were conducted throughout in Urdu, were characterised by perfect order and evinced a spirit of deep loyalty. The speeches attained a high degree of excellence, both in their form and matter, while most of the Resolutions were of an entirely practical character and not mere pompous declamations in high flown language. Many who have had experience of Conferences in different parts of India pronounced the first Hyderabad Educational Conference to be amongst the most successful, from a practical point of view. His Highness had shown his gracious sympathy with the Conference by sanctioning its being held under Mr. Hydari's Presidentship, and allowing the use of the beautiful Mahbubia Town Hall,—this being the first public occasion of which the hall has been so used—and by commanding that during the time Government servants were attending the Conference from the Districts they should be considered to have been on duty. There was an encouraging attendance of ladies who take an interest in Educational matters. Very good arrangements were made for Purdah ladies, several of whom are members of the Conference.

Translations in English

OF THE

RESOLUTIONS OF THE

First Hyderabad Educational Conference,

WITH

THE PRESIDENTIAL ADDRESS OF

Mr. A. HYDARI,

Secretary to H. H. the Nizam's Govt. in the Judicial Police and General Departments.

[Reprinted from the "Hyderabad Bulletin."]